سراج الفقہا

کی

دینی مجالس

ملفوظات:

سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی

صدر المدرسین و صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

ترتیب وتخریج وتحشیہ

حضرت مولانا رحمت اللہ مصباحی

استاذ انجمن اسلامیہ، پڈرونہ

ناشر:

انجمن اسلامیہ

پڈرونہ ضلع کشی نگر (یوپی)

خوشخبری

علماء اہلسنت کی کتب PDF میں
حاصل کرنے کیلئے
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن
کریں
https://t.me/tehqiqat
گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے لئے
https://
archive.org/details/
@zohaibhasanattari

طالب دعا زوہیب حسن عطاری

نام کتاب: سراج الفقہا کی دینی مجالس

ملفوظات: سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی

ترتیب و تخریج و تحشیہ: حضرت مولانا رحمت اللہ مصباحی
استاذ انجمن اسلامیہ، پڈرونہ، ضلع کشی نگر

تصحیح: حضرت مولانا زاہد علی سلامی مصباحی
حضرت مولانا دستگیر عالم مصباحی
اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ

کمپوزنگ: جناب مولانا رضاء المصطفیٰ مصباحی، استاذ انجمن اسلامیہ، پڈرونہ

تزئین کار: پیامی کمپیوٹر گرافکس مبارک پور

صفحات: ۱۶۰

تعداد اشاعت: ۱۱۰۰

سن اشاعت: جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ/مارچ ۲۰۱۷ء

ناشر:
انجمن اسلامیہ، پڈرونہ ضلع کشی نگر
Mob: 8423862584

تقسیم کار:
مکتبہ برہان ملت لال چوک، مبارکپور، اعظم گڑھ
Mob: 9621111959

عن الحسین بن علی عن ابیه علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنهم، قال: قال رسولُ الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "العلمُ خزائنُ ومفتاحها السُّوال" فَاسئَلُوْا یَرحَمُکُمُ الله. فانّه یؤجر فیه اربعة: السّائل والمُعَلّم والمستمع والمجیبُ لهم. (سنن الاصفهانی لابی نعیم، ج:۱، ص:۱۳۵، کتاب العلم، بابٌ فی السُّؤال مکتبة الرشد، الریاض)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "علم خزانے ہیں اور ان خزانوں کی کنجی سوال ہے" تو تم لوگ مسائل پوچھو، اللہ تم پر رحم فرمائے، اس کے باعث چار لوگ اجر کے حق دار ہوتے ہیں۔ (۱) سوال کرنے والا (۲) تعلیم دینے والا (۳) غور سے سننے والا (۴) اور جواب دینے والا۔

عن جابرٍ قال: قال النّبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اَلَا سَئَلُوْا اِذْلَمْ یَعْلَمُوْا، فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ. (السنن الکبری للإمام البیهقی، ج:۱، ص:۲۲۷، کتاب الطهارة، باب الجرح اذا کان فی بعض جسده دائرة المعارف، حیدر آباد)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں، کہ پوچھنے سے عاجز ودرماندہ کو شفا ملتی ہے۔

آئینۂ کتاب

❶

کتاب العقائد

سوال نمبر	مسائل	صفحہ نمبر
۱	"اللہ ہر جگہ ہے" یہ کہنا کیسا ہے؟	۲۶
۲	وہابی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے کلام اور دیدار سے مشرف کرنے کے لیے عرش پر بلایا، اگر وہ عرش پر نہیں ہے تو وہاں کیوں بلایا	۲۶
۳	کیا کسی حدیث سے یا اسلاف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعا مانگنا ثابت ہے؟....	۲۸
۴	اجماع کی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس زمانے میں اجماع ہو سکتا ہے؟........	۲۹
۵	ائمۂ اربعہ کے مذاہب پر جو اجماع ہے وہ صدی کے بعد کا ہے یا پہلے کا؟.....	۳۱
۶	اجماع کیا چیز ہے اور کیا قرآن وحدیث میں اس کا ذکر ہے؟........	۳۳
۷	کیا شاگرد اپنے استاذ سے اور مرید اپنے پیر سے مسائل میں اختلاف کر سکتا ہے؟	۳۴
۸	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ایک شعر کی وضاحت کہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبوت کے سوا سارے درجات حاصل ہیں........	۳۶
۹	"جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے" کی نفیس تشریح........	۳۸
۱۰	کیا اہل باطل کا رد ہر فرد مسلم پر ضروری ہے؟........	۳۹

۲

کتاب الطھارۃ

۳

کتاب الصلاۃ

۴

کتاب الزکاۃ

۵

کتاب الصوم

۶

کتاب الحج

۷

کتاب النکاح

۸

کتاب الطلاق

۹

کتاب البیوع

۱۰

کتاب الذبائح

(۱۱)

کتاب الأضحیة

(۱۲)

کتاب الحظر والاباحة

۱۳

متفرق ابواب کے مسائل

عرضِ مرتب

الحمد للہ رب الغلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ سید المرسلین وعلماء ملتہ و فقہاء شریعتہ اجمعین اما بعد

آج جب کہ دنیا مادیت کی چکا چوند روشنی میں زندگی گزارنے کو اپنا مقصد حیات بنا چکی ہے اور مغرب نے سیکولرزم کا نعرہ دے کے اسلامی روح سے بے گانہ کر دیا ہے ایسے عالم میں بھی اللہ تعالیٰ کے کچھ پاکیزہ صفات بندے ایسے بھی ہیں جنھیں ہمیشہ امتِ محمدیہ کی اصلاح کی فکر رہتی ہے تاکہ اللہ کے بندوں کو شریعت کے اصول و فروع سے روشناس کرا کر ظاہری و باطنی طور پر انھیں پاکیزگی کا خوگر بنائیں، انھیں پاکیزہ صفات شخصیات میں ایک ذات سراج الفقہا، محقق مسائل جدیدہ، حضرت العلام مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی ہے جو محتاج تعارف نہیں، ان کی فقہی بصیرت اور حالاتِ حاضرہ کے در پیش نئے مسائل کی تحقیق و تدقیق کا ایک زمانہ معترف ہے، ان کے فتاوے بطورِ سند پیش کیے جاتے ہیں اور ان پر اُمت کا عمل جاری ہے۔

سراج الفقہا نے گذشتہ کئی دہائیوں سے جلسوں اور کانفرنسوں میں سوال و جواب کی دینی مجالس کے ذریعہ عوام و خواص کے ہزاروں ایسے مسائل کا شافی جواب دیا ہے جن میں اکثر ایسے مسائل بھی ہیں جو عصر جدید کی پیداوار ہیں اور فقہا کی کتابوں میں ان کے احکام نہیں ملتے۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان دینی مجالس کے سوالات اور ان کے شرعی و فقہی جوابات جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کر دوں تاکہ خلق خدا اس سے فیض یاب ہوتی رہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ مجھے یہ توفیق ملی اور آپ کی چند دینی مجالس کے افادات کا ایک جز نذر قارئین ہے، مضمون کی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام "سراج الفقہاکی دینی مجالس" ہے۔

اللہ ہماری اس خدمت کو قبول فرمائے، حضرت سراج الفقہا کو عمرِ خضر عنایت فرمائے اور اسے ہماری نجات کا ذریعہ بنا کر ہمیں دارین کی سعادتوں سے شاد کام فرمائے۔ اٰمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ و علیٰ اٰلہٖ افضلُ الصلاۃ والتسلیم۔

محمد رحمت اللہ خان مصباحی

ناظ: انجمن اسلامیہ، پڈرونہ، ضلع کشی نگر (یوپی)

۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

مطابق ۱۳ر فروری ۲۰۱۷ء

تقریب

حضرت سراج الفقہاکی دینی مجالس کا آغاز ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء سے ہی ہوگیا تھا جس کا سلسلہ چھوٹی چھوٹی محفلوں کے ذریعہ بعد میں بھی قائم رہا۔ ذی القعدہ ۱۴۱۶ھ مطابق مارچ ۱۹۹۶ء میں اس کا باضابطہ آغاز جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، مبارک پور سے اس وقت ہوا جب آپ نے پہلے سفر حج کی روانگی کے موقعے پر عازمین حج کو عملی تربیت دی، پھر ان کے ذریعہ پوچھے گئے کثیر سوالوں کے جوابات دیے۔ سفر حج کے راستے میں حج ہاؤس دہلی پھر طیارہ میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور مکہ معظمہ پھر منیٰ میں بارہا آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوتا اور آپ ان کے مسائل حل فرماتے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ نے حدود حرم شریف میں تقریباً ایک ہزار سوالوں کے جوابات دیے۔

نومبر ۱۹۹۸ء میں جب فلمی گانوں کے کچھ اشعار پر حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے کفر کا فتویٰ صادر فرمایا تو مختلف علاقوں میں اس کی وجہ سے عوام الناس کے درمیان ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اس موقع سے سراج الفقہا نے ان تمام علاقوں میں جاکر بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں کو خطاب کیا اور اذن عام دے دیا کہ اس سلسلے میں جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں، تو لوگوں نے دل کھول کر اس بارے میں سوالات کیے اور آپ نے پوری وضاحت کے ساتھ ان کے جوابات عطا فرمائے جہاں، جہاں آپ کی یہ مجالس قائم ہوئیں، ان تمام جگہوں سے الحمد للہ! شورش ختم ہوتی چلی گئی۔

اگست وستمبر ۲۰۰۰ء میں آپ نے سفر برطانیہ کے موقعے سے عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی کے دوروزہ اجتماع میں منبر نور سے لوگوں کے تقریباً سو سے زائد سوالوں کے جوابات دیے جو بے پناہ مقبول ہوئے اس کے بعد برطانیہ کی مساجد میں اس طرح کی محفلیں کثرت سے منعقد ہوئیں جن میں آپ نے ان کے سماجی، معاشی اور کچھ عبادات وغیرہ کے مسائل میں ان

کی شرعی رہنمائی فرمائی، پھر اسی سال عروس البلاد ممبئی میں سنی دعوت اسلامی کے سہ روزہ عالمی اجتماع میں آپ تقریباً پونے چار گھنٹے تک لوگوں کے سوالات سن سن کر برمحل جوابات دیتے رہے۔ ان اجتماعات میں اعلان عام ہوتا تھا کہ آپ حضرات کو جو کچھ بھی دینی مسائل پوچھنے ہوں پوچھ سکتے ہیں۔ پھر لوگ پورے شوق وذوق کے ساتھ اپنے اپنے مسائل پیش کرتے اور حضرت فوراً انھیں تحقیقی جوابات سے آگاہ فرماتے، لوگ مجمع عام میں پیش ہونے والے سوالات پھر ان کے فوری تشفی بخش جوابات کا منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے۔

حضرت سراج الفقہا کا یہ پروگرام عوام وخواص میں اس قدر مقبول ہوا کہ آپ تادم تحریر سنی دعوت اسلامی کے اجتماعات میں برابر تشریف لے جاتے ہیں اور دینی مجالس قائم کرکے اپنے پیاسوں کو چشمہ فیضان علم سے سیراب کرتے ہیں۔ ان مجالس کے اہتمام کا سہرا زیادہ تر تحریک سنی دعوت اسلامی (ممبئی) کے سر جاتا ہے۔ ہندوستان کی خانقاہوں میں اجمیر شریف (راجستھان)، مارہرہ شریف (یوپی)، سوجا شریف (راجستھان)، گل برگہ شریف (کرناٹک)، لونی شریف اور شاور کنڈلا (گجرات) اور یہاں کے بلاد میں ممبئی کے مختلف علاقے، پونہ، ناسک، جالنا، امل نیر، مالیگاؤں (مہاراشٹر)، بھروچ، ہمت نگر، بھاؤ نگر بڈیلی، کھمبات (گجرات)، اسلام پور، کلکتہ، آسنسول، پرولیا (بنگال)، دھنباد، جھریا، رانچی، گریڈیہ، پارس ناتھ، اورنگ آباد، ویشالی، سیتا مڑھی (غیر منقسم بہار)، ہبلی (کرناٹک)، حیدر آباد، آدونی، بنگلور، ہاسپیٹ (کرناٹک)، اندور (مدھیہ پردیش)، اعظم گڑھ، سلطان پور، کشی نگر، مہراج گنج، گورکھ پور، بستی، وغیرہ یوپی کے اضلاع اور بیرون ممالک میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، منیٰ، جدہ اور برطانیہ میں بولٹن، پریسٹن، لیسٹر میں آپ کی دینی مجالس کی تعداد ایک صحیح اندازے کے مطابق دو سو سے زیادہ ہے جس میں آپ نے تقریباً دس ہزار سوالوں کے شرعی وفقہی جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے کچھ سوال وجواب کیسیٹ یا سی، ڈی میں محفوظ ہیں اور آدھے سے زائد فضاؤں کی نذر ہوگئے، تاہم جو مجالس محفوظ ہیں ان میں سے چند مجالس کے سوال وجواب کا مجموعہ آپ کے پیش نظر ہے اس مجموعہ میں ایک سو نواسی (۱۸۹) سوالات کے جوابات ہیں۔ یہ مجموعہ سراج الفقہا کے مخلص شاگرد حضرت مولانا رحمت اللہ مصباحی، استاذ انجمن اسلامیہ،

پڈرونہ ضلع کشی نگر نے سی، ڈی وغیرہ سے نقل کر کے فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، ساتھ ہی احادیث اور فقہی جزئیات کی تخریج بھی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ دارین میں انھیں اس کار خیر کے لیے بہتر جزا عطا فرمائے اور ہر جگہ شاد کام رکھے۔ آمین بجاہ نبیہ المکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم.

محمد عصام الدین برکاتی

مکتبہ برہان ملت لال چوک، مبارک پور اعظم گڑھ

۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

مطابق ۱۸ر فروری ۲۰۱۷ء

(شنبہ)

تمہید

الحمدُلله ربِّ الغلمین والصَّلاةُ وَالسَّلَامُ علیٰ حبیبہٖ سَیِّدِ المُرسَلین وعلیٰ اٰلہٖ وصحبه و جندہٖ وحزبہٖ. أما بعد!

قال عبدالله بن عمر بن الخطاب حدّثنی أبي عمرُ بن الخطاب، قال: بینما نحن عند رسول الله ﷺ .ذات یوم، إذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب، شدید سواد الشعر، لایریٰ علیه أثر السفر ولا یعرفه منّا أحد حتی جلس إلی النبی ﷺ.فأسند رکبتیه إلی رکبتیه ووضع کفیه علی فخذیه،وقال:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ ہم لوگ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ اتنے میں ہمارے سامنے ایک شخص نمودار ہوا، اس کے کپڑے بہت سفید اور بال بہت کالے تھے، اس کے جسم پر سفر کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہ تھا، وہ شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے یوں بیٹھا کہ اپنے دونوں گھٹنے حضور کے گھٹنے سے ملا دیا اور دونوں ہتھیلیاں اپنی دونوں رانوں پر رکھ کر عرض کیا:

یا محمد! أخبرني عن الإسلام: فقال رسول الله ﷺ: الإسلامُ أن تشهد ان لااله إلا الله وان محمدا رَّسول الله وتقیم الصلوٰة وتوتی الزکوٰة وتصوم رمضان وتحج البیت إن استطعت إلیه سبیلا. قال: صدقت. فعجبنا له یسأله و یصدقه.

یارسول اللہ، مجھے **اسلام** کے بارے میں بتائیے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور پابندی

کے ساتھ، صحیح طریقے سے نماز ادا کرو، اور زکاۃ دو، اور رمضان کے روزے رکھو اور مکہ شریف جانے کے لیے زادراہ ہو تو بیت اللہ شریف کا حج کرو۔ اس شخص نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس شخص پر تعجب ہوا کہ سوال بھی کر رہا ہے اور تصدیق بھی کر رہا ہے۔

قال: فأخبرني عن الايمان. قال: ان تؤمن بالله وملئكته وكتبه واليوم الاخر وتؤمن بالقدر خيره وشره. قال: صدقت قال: فأخبرني عن الإحسان. قال: ان تعبد الله كانك تراه، فان لم تكن تراه فانه يراك.

نووارد شخص نے دوسرا سوال کیا کہ حضور مجھے **ایمان** کے بارے میں بتایئے۔ تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم دل سے اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور اس کے رسولوں کی اور یوم آخرت کی تصدیق کرو۔ اور اچھی، بری تقدیر کی بھی تصدیق کرو۔ تو سائل نے کہا حضور آپ نے سچ فرمایا۔
اس شخص نے عرض کیا، حضور مجھے **احسان** کے بارے میں بتایئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ احسان (واخلاص) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت یوں کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ کیفیت نہ ہو سکے تو یہ یقین رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

قال: فأخبرني عن الساعة. قال: ماالمسئول عنها باعلم من السائل. قال: فأخبرني عن امارتها. قال: ان تلد الامة ربتها وان ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء، يتطاولون في البنيان، قال: ثم انطلق، فلبثت مليا ثم قال لي: "يا عمر أتدرى من السائل." قلت: الله ورسوله اعلم. قال: فانه جبرئيل اتاكم يعلمكم دينكم.[1]

سائل نے چوتھا سوال کیا کہ حضور مجھے **قیامت** کے بارے میں بتایئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔ اب اس نے پانچواں سوال

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان ج:۱، ص ۲۷ مجلس برکات، مبارکفور

قیامت کی نشانیوں کے متعلق کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ باندی اپنے آقا کو جنے گی۔ اور یہ کہ تم ننگے قدم چلنے والے، ننگے بدن رہنے والے، محتاجوں، بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو گے کہ محلوں میں فخر کر رہے ہیں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا میں نے (مسائل کے تعلق سے پوچھنے میں) کچھ دیر توقف کیا تو حضور سید عالم ﷺ نے خود ہی مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر، تمہیں معلوم ہے کہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول کو خوب معلوم ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

اس حدیث پاک سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) دین کے بارے میں سوالات کرنا بھی دین کی تعلیم ہے۔

(۲) دینی امور کے تعلق سے سوال وجواب سنتِ جبرئیل وسنتِ رسول اکرم ﷺ ہے بعد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سنت پر قائم رہے ان کے بعد حضرات تابعین عظام وتبع تابعین اور بعد کے فقہائے اسلام نے بھی اس سنت کو زندہ اور باقی رکھا اور آج الحمد للہ ہم اور آپ اسی سنت پر عمل پیرا ہیں، خدائے کریم یہ سنت ہمیشہ زندہ رکھے، آمین

(۳) حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام بارگاہ نبوی میں اس طور پر بیٹھے جیسے نماز میں التحیات پڑھتے وقت نمازی بیٹھتا ہے۔ وہ اس عمل کے ذریعہ یہ تعلیم دے رہے تھے کہ بارگاہ مصطفی ﷺ کا ادب اس طور پر ہونا چاہیئے کہ بیٹھیں تو نماز کی طرح بیٹھیں اسی لیے ہمارے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بارگاہ رسالت ﷺ میں اس طرح کھڑا ہونا چاہیئے جیسے نماز میں کھڑا ہوا جاتا ہے۔

(۴)۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نوری ہیں، نوریوں کے سردار ہیں پھر بھی انسانوں کو دین کے چند مسائل سکھانے کی ضرورت درپیش ہوئی تو لباس بشر میں آئے اور حضور جان نور سید عالم ﷺ تو انسانوں کی تعلیم اور ہدایت کے لیے ان ہی کے درمیان مبعوث ہوئے اسی لیے آپ بھی لباس بشر میں تشریف لائے۔ آپ نور بھی ہیں اور بشر بھی، مگر

تعلیم دین کے لیے آپ لباس بشر میں آئے تاکہ انسانوں کی دنیا آپ سے مانوس ہو کر آپ کے ساتھ رہے اور دین سیکھ کر زمین میں حکومت الٰہیہ قائم کرے۔

آج ہمارے معاشرے میں کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو قیامت کا علم نہیں تھا کیوں کہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل کے چوتھے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: "مجھے قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔" حالاں کہ یہ "علم قیامت" کی نفی نہیں ہے، بلکہ "زیادہ علم" کی نفی ہے۔ حدیث پاک کا مفہوم صاف صاف یہ ہے کہ سائل کو قیامت کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں، یعنی حضور سید عالم نبی غیب ﷺ یہ بتا رہے ہیں کہ جبرئیل کو بھی قیامت کے بارے میں معلوم ہے اور مجھے بھی، اور یہ بھی کہ آپ کا علم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے علم قیامت سے زیادہ نہیں۔

حق یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے اس مبہم ارشاد کے ذریعہ یہ اشارہ فرمار ہے ہیں کہ اے جبرئیل، اللہ کا کلام قرآن مقدس میرے پاس آپ ہی لاتے ہیں اور اس کلام کا علم آپ کو بھی ہے اور مجھ کو بھی، اور آپ کو یا مجھے اللہ جتنا بتاتا ہے اتنا ہی معلوم ہے اس سے زیادہ نہیں، اور آپ اللہ کا جو کلام میرے پاس لے کر آئے ہیں اس میں متعدد مقام پر یہ صراحت ہے کہ قیامت اچانک آئے گی، مثلاً یہ مقامات - ارشاد ربانی ہے:

"حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً"[1]

یہاں تک کہ جب ان پر قیامت اچانک آگئی۔

"اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً"[2]

یا قیامت اُن پر اچانک آجائے۔

"هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۶﴾"[3]

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الانعام، ٦، آیۃ: ۳۱، وَاِذَا سَمِعُوۡا ۷.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الیوسف، ۱۲، آیۃ: ۱۰۷، وَمَاۤ اُبَرِّئُ. ۱۳.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الزخرف، ۴۳، آیۃ: ٦٦، اِلَیۡهِ یُرَدُّ. ۲۵.

وہ کا ہے کے انتظار میں ہیں مگر قیامت کے، کہ ان پر اچانک آجائے اور انھیں خبر نہ ہو۔

ان تینوں آیتوں میں بڑے واضح الفاظ میں یہ بتادیا گیا ہے کہ قیامت اچانک آئے گی اور "اچانک" اسی وقت ہو سکتا ہے جب پہلے سے لوگوں کو قیامت کا علم نہ ہو، کیونکہ جس چیز کے آنے کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو اور وہ آجائے تو اسے "اچانک آنا" نہیں کہتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتا کر کہ "قیامت اچانک آئے گی" اپنے محبوب دانائے غیوب ﷺ کو یہ اشارہ فرمادیا ہے کہ قیامت کے بارے میں لوگوں کو نہ بتایا جائے اس لیے حضور سید الانبیا ﷺ نے علم قیامت کا اظہار نہ فرمایا اور جواب ایسے انداز سے دیا کہ سائل سب کچھ سمجھ جائے اور جنھیں بتانے سے منع فرمایا گیا ہے وہ کچھ نہ سمجھیں، ورنہ آپ کا مقام، غیبی علوم کے بارے میں بہت رفیع ہے، اس کا اندازہ ایک عاشق رسول کے اس شعر سے کیا جاسکتا ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

(۵) علم قیامت سے متعلق سوال کا جواب حضور نے بہت مبہم رکھا، تاکہ صحابہ کو یہ درس ملے کہ بے ضرورت سوال سے احتراز کرنا چاہیے۔

اب آپ حضرات سوال بھیج سکتے ہیں مگر یہ لحاظ رہے کہ سوال ضروری امور کے متعلق ہی پوچھا جائے، بے ضرورت سوالات سے پرہیز کریں۔ آپ کا مقصود دین کی باتیں سیکھنا اور سکھانا ہو، مفتی کا امتحان ہرگز نہ مقصود ہو اور بہر حال ادب واحترام کے پیرائے میں ہی سوال ہو، اگر ان امور کا لحاظ کر کے آپ نے سوال کیا تو ان شاء اللہ عزوجل آپ کو سنت صحابہ و سنت رسول ﷺ کا ثواب ملے گا۔

(۱)

کتاب العقائد

(عقائد کے مسائل)

سوال نمبر (۱)—لوگ کہتے ہیں کہ "اللہ ہر جگہ ہے" اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ جگہ سے پاک ہے، جگہ اسے چاہیے جو جسم والا ہو اور اللہ سبحانہ، وتعالیٰ جسم بلکہ شائبہ جسم سے بھی پاک ہے قرآن حکیم میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" "اللہ کے جیسی کوئی چیز نہیں۔ اور اگر اللہ کے لیے جسم ہوتا، اس کو جگہ کی حاجت ہوتی تو اس جیسی کروڑ ہا کروڑ بے شمار چیزیں ہوتیں، حالاں کہ وہ خود فرماتا ہے کہ "اس کے جیسی کوئی چیز نہیں" اس لیے یہ کہنا کہ "اللہ ہر جگہ ہے" غلط ہے، قرآن مقدس کے خلاف ہے۔ اب اگر کوئی سنی یہ لفظ بولتا ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ "اللہ کا علم ہر جگہ ہے، اللہ کی رحمت ہر جگہ ہے" یہ صحیح ہے اس لیے اس کے حق میں یہ کلمہ کفر نہ ہوگا تاہم حکم ہوگا کہ ایسی بات نہ بولے۔ اور اگر کوئی بدمذہب یہ کلمہ بولتا ہے جو اللہ عزوجل کے لیے جسم اور جگہ کا اعتقاد رکھتا ہے تو اس کے حق میں یہ کفر ہے کہ اس نے کفری معنی کے عقیدے سے یہ کلمہ کہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قائل کا عقیدہ کفری نہ ہو تو یہ کلمہ بولنا کفر نہ ہوگا، تاہم اسے ہدایت کی جائے گی کہ ایسا لفظ نہ بولے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۲)— وہابی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے کلام اور دیدار سے مشرف کرنے کے لیے عرش پر بلایا، اگر وہ عرش پر نہیں ہے تو وہاں کیوں بلایا؟

جواب: تو پھر وہابی صاحبوں کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کوہ طور پر ہے کیوں کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے کلام سے مشرف فرمانے کے لیے کوہ طور پر بلایا۔

حضور سید عالم ﷺ نے کوہ صفا سے اعلان اسلام فرمایا کیوں کہ اسلام کی اہمیت کا

تقاضا یہ تھا کہ بلند جگہ سے اس کا اعلان ہو، ساتھ ہی اس میں اعلان کرنے والے کے شرف کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ بلند جگہ پر ہوں۔

علما ذکر الٰہی و ذکر رسول کے جلسے منعقد کرتے ہیں تو ان کے لیے منبر بچھایا جاتا ہے تاکہ عام لوگوں سے بلند و ممتاز ہوں، ان مثالوں کی روشنی میں اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلاۃ والسلام کی شان رفعت اور کلام الٰہی کی بے پایاں عظمت کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر پہاڑ پر تشریف رکھیں اور وہاں سے کلام الٰہی کا شرف حاصل کریں اور حضور سید عالم، فخر بنی آدم و آدم ﷺ کے فضائل عظیمہ اور اللہ عزوجل کے دیدار و کلام سے شرف یابی کا تقاضا یہ تھا کہ حضور عرش اعظم پر تشریف فرما ہوں اور وہاں سے اللہ عزوجل کا دیدار فرمائیں اور اپنے رب سے ہم کلام ہوں۔

ذکر اور ذاکر کی اہمیت چاہتی ہے کہ ذاکر منبر پر جلوس یا قیام کرے، رب سے ہم کلامی اور کلیم کی عظمت چاہتی ہے کہ کلیم کوہ طور پر تشریف فرما ہوں تو رب سے ہم کلامی کے ساتھ رب العرش کا دیدار اور محبوب کردگار کا فضل یہ چاہتا ہے کہ محبوب عرش اعظم پر جلوہ افروز ہوں اور خدائے پاک انھیں اپنے خصوصی انعامات سے نوازے۔

میں یہاں ایک لطیف نکتے کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کروں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

یہ رسولوں کا گروہ، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو بدرجہا فضیلت عطا فرمائی۔

جن بعض کو بدرجہا بلندیاں عطا فرمائیں وہ ہمارے حضور جان نور ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عرش پر بلا کر اور حضرت کلیم کو کوہ طور پر بلا کر اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ کلیم سے حبیب کی بدرجہا بلندی صرف معنوی نہیں بلکہ حسی بھی ہے۔ اس سے کلیم و حبیب کے فرق مراتب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عرش کی بلندی بدرجہا زیادہ ہے ایسے ہی کلیم سے حبیب کی بلندی بھی بدرجہا زیادہ ہے۔

سنی توان واقعات سے یہ سمجھتا ہے مگر وہابی اللہ کے لیے جگہ ثابت کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ جگہ سے پاک ہے خداے پاک انھیں صحیح سمجھ اور ہدایت حق عطا فرمائے آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳)— اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے اپنے شجرے میں رسول اللہ ﷺ سے دعا کی ہے چناں چہ فرماتے ہیں:

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
یا رسول اللہ کرم کیجے خدا کے واسطے

تو کیا کسی حدیث سے یا اسلاف سے حضور سے دعا مانگنا ثابت ہے؟

جواب: دعا اللہ سے مانگی جاتی ہے اور حضور سید عالم ﷺ سے استغاثہ کیا جاتا ہے اور مدد مانگی جاتی ہے اس کا ثبوت کتاب اللہ سے بھی ہے، اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے بھی اور سلف و خلف سے بھی رضی اللہ عنہم۔ میں یہاں اس شعر کے ثبوت میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔

صحابیِ رسول حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور سید کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ اسی دوران آپ کی خدمت میں ایک نابینا صحابی آئے اور آنکھوں کی روشنی کے لیے عرض کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، جاؤ، وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ (ﷺ) يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِي، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا اور تیرے رحمت والے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یا رسول اللہ، میں حضور کے وسیلے سے اپنی اس حاجت کے سلسلے میں اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت رَوا ہو، اے اللہ، حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، طبرانی)

حصن حصین کی بعض روایتوں میں لِتَقْضِيَ لِي صیغۂ معروف سے واقع ہے، تو معنی ہوگا:

"یا رسول اللہ، میں آپ کے وسیلے سے خدا کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ آپ میری حاجت روائی کردیں" (حصن حصین)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم ابھی بارگاہ رسالت سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہی تھے کہ وہ نابینا صحابی ہمارے پاس آئے ایسا لگتا تھا کہ وہ کبھی اندھا ہی نہ تھے۔

اس حدیث کے الفاظ میں آپ غور فرمائیں گے تو عیاں ہوجائے گا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے شجرے کے اُس شعر سے اسی حدیث کا ترجمہ کیا ہے، انھوں نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔

یہ حدیث پوری تفصیل اور حوالوں کے ساتھ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم، رسالہ انہار الأنوار من یم صلاۃ الأسرار میں نقل کیا ہے۔[1]

سوال نمبر (۴)— اجماع کی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس زمانے میں اجماع ہوسکتا ہے؟ اور امر اجماعی پر جو مسئلہ متفرع ہوگا وہ اجماعی ہوگا کہ نہیں؟

جواب: اجماع کی حقیقت کیا ہے؟ اجماع یہ ہے کہ ایک وقت میں ساری دنیا میں جتنے فقہائے مجتہدین پائے جاتے ہیں وہ سارے فقہائے مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کرلیں۔ اسی اتفاق کا نام اجماع ہے۔ اس کی حجیت کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے، سنت رسول اللہ سے بھی ثابت ہے۔ عہد صحابہ میں مجتہدین محدود تھے، پوری دنیا میں پھیلے ہوئے نہیں تھے۔ مدینہ شریف اور آس پاس کی بستیوں اور شہروں میں وہ آباد تھے۔ اور ان کی تعداد و سب کے نام اور پتے کے ساتھ معلوم تھی۔ وہ کل بیس، اکیس صحابۂ کرام تھے۔ جب کسی مسئلے پر اتفاق ہوجاتا تو سب کو معلوم ہوجاتا کہ اجماع ہوگیا پھر اسلام پھیلا تو جہاں تک پھیلا وہاں تک لوگوں کو معلوم تھا کہ فلاں جگہ پر ایک فقیہ مجتہد ہیں، فلاں جگہ پر دو ہیں، فلاں جگہ پر تین۔ سارے فقہاے مجتہدین معلوم تھے اس لیے کسی ایک مسئلے میں ان مجتہدین کا موقف کیا ہے سب کو معلوم رہتا تھا، کسی کا اختلاف ہوتا تو مسئلہ مختلف فیہ مانا جاتا اور اتفاق ہوتا تو اجماعی کہلاتا۔

دوسری صدی ہجری میں بھی کوشش کرکے اجماع کی تحقیق کرلی گئی لیکن دوسری صدی کے بعد اسلام دنیا کے کثیر علاقوں میں پھیل گیا تو فقہا و علما دنیا کے بے شمار علاقوں میں پھیل

(1) فتاویٰ رضویہ جلد: سوم، ص: ۳۰۰-۵۵۰- سنی دار الاشاعت مبارک پور، رضا اکیڈمی ممبئی۔

گئے، علما اور مجتہدین کی کثرت ہوگئی تو اب پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ پوری دنیا میں فقہا کہاں کہاں ہیں؟ کس شہر میں کتنے ہیں؟ کس مسئلے میں کس کا کیا موقف ہے، نہ سب کو جمع کر سکتے تھے اور نہ سب کی رائے معلوم کر سکتے تھے۔ تو ایسی صورت میں بھی کیسے پتہ چلتا کہ فلاں، فلاں مسئلے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے یا اتفاق؟ اس لیے محققین نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ اب اجماع اور اتفاق نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”دوصدی کے بعد اجماع کے علم و ادراک کی کوئی راہ نہ رہی، اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ”من ادّعى الإجماع علىٰ أمرٍ فهو كاذبٌ“ اب کسی امر دینی پر کوئی اجماع کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے کیوں کہ علما کے شرق و غرب میں پھیل جانے کی وجہ سے ان کے احوال و اقوال کا بخوبی علم نہیں ہو سکتا۔“ یہ مجددِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تصریحات کا خلاصہ ہے اور آپ نے یہ انکشاف مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت کے حوالے سے کیا ہے۔ اور اس کے بعد جب اسلام اور پھیل گیا یہ دشواری اور بڑھ گئی، اگر آج کے زمانے میں اس کا جواب یہ دیا جائے: ارے صاحب اب تو موبائل کا زمانہ ہے، گھنٹی بجائیے اور آدھے گھنٹے کے اندر ساری دنیا سے رابطہ ہو جائے گا، سب کی رائے معلوم ہو جائے گی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں کتنے مجتہد ہیں علما بہت پہلے اعلان کر چکے ہیں کہ اہلِ اجتہاد میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔

وفی الخلاصة: ليس احدٌ مِن اهلِ الاجتهاد فی زماننا.[1]

جب مجتہد کوئی باقی نہیں رہا اور مجتہدین کا اتفاق کرنا ہی اجماع ہے تو اگر آپ سارے علما کے نام پتے بھی جان جائیں سب کے فون نمبر اور کوڈ نمبر بھی حاصل کر لیں اور سب سے آپ کا رابطہ ہو جائے سب کی زبان بھی سمجھ جائیں تو بھی اجماع کہاں ہوا؟ علما کا اتفاق کرنا اجماع نہیں ہے، فقہائے مجتہدین کا اتفاق کرنا اجماع ہے۔

اجماع الگ چیز ہے، اتفاق الگ چیز ہے، ان دونوں کے اندر فرق ہے، ان دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہے، یہ فرق سمجھنے کا ہے۔

(۱) فواتح الرحموت، ص:۴۴۳، ج:۲، خاتمة.

سوال نمبر (۵)— ائمۂ اربعہ کے مذاہب پر جو اجماع ہے دو صدی کے بعد کا ہے یا پہلے کا ہے؟ اس کو واضح طور پر بیان فرمائیں۔ اگر پہلے کا ہے فبہا، اور بعد کا ہے تو اجماع کا تحقق کیسے ہوگا؟ جب کہ فتاویٰ رضویہ میں مذاہبِ اربعہ کی تقلید پر اجماع نقل کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس میں دوصدی کے بعد اجماع کے قائل کو کذاب بھی کہا گیا ہے؟

جواب: یہ سوال بجائے خود بہت اہمیت کا حامل ہے مگر اس کا جواب ان تمام علما کے ذمہ ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے عقیدت رکھتے اور آپ کے قول کو حجت سمجھتے ہیں، ہم یہاں اپنی فہم قاصر کے مطابق کچھ عرض کرتے ہیں۔

ائمۂ اربعہ کی تقلید پر اجماع دوسری صدی کے بعد منعقد ہوا۔[1] مگر تقلید کی مشروعیت مشروعیت پر اجماع دوسری صدی سے پہلے ہی منعقد ہو چکا تھا صحابۂ کرام میں جن حضرات نے احادیث مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کی روایت کی ہے، ان کی تعداد علما نے ایک لاکھ چودہ ہزار بتائی ہے جب کہ ان میں فقہائے مجتہدین کی تعداد محض بیس ہے یا کچھ زیادہ۔ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو باقی صحابۂ کرام انھیں مجتہدین کرام میں سے کسی سے پوچھ کر اس پر عمل کرتے اور یہ بلاشبہہ مجتہد کی تقلید ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن

(۱) تفسیر مظہری میں ہے: اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب، ولم يبق مذهب فی فروع المسائل سوى هذه الاربعة.
اہلِ سنت تیسری، چوتھی صدی ہجری کے بعد ان چاروں مذاہب میں منقسم ہو گئے اور فروعی مسائل میں، ان چاروں مذاہب کے سوا کوئی اور مذہب باقی نہ رہا۔ (تفسیر مظہری، ج:۲، ص:۶۴، مسئلہ: اذا صح الحديث على خلاف مذهبه.)
الانصاف میں ہے: و بعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه.
دو صدی بعد متعین مجتہدین کی تقلید کا دور شروع ہوا اور شاذ و نادر ہی کوئی بچا جو تقلید شخصی پر اعتماد نہ کرتا ہو۔ (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف للشاہ ولی اللہ المحدث الدهلوی، ص:۱۹، استانبول)
ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری میں ائمہ مجتہدین کی تقلید عام طور پر شروع ہو گئی تھی اور چوتھی صدی سے ائمہ اربعہ کی تقلید پر امت کا اتفاق ہو گیا تھا۔ ۱۲

مسعود رضی اللہ عنہ کے تعلق سے فرمایا:

لا تسئلوني مادام هذا الحبر فيكم.[1]

(جب تک یہ ماہر فقہ تمھارے درمیان موجود ہیں مجھ سے مسائل مت دریافت کرو۔)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسائل پوچھنے اور ان کے جواب پر عمل کرنے کی ہدایت دے رہے ہیں جو دراصل تقلید کی ہدایت ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب حضور سید عالم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انھوں نے عرض کیا تھا کہ جس قضیہ کا حکم کتاب و سنت میں نہیں ملے گا اس کے بارے میں کامل غور و فکر کے بعد اجتہاد کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر اللہ جل شانہ کی حمد کی اور فرمایا کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ مجتہد کے اجتہاد پر عمل تقلید ہے اور وہ بھی تقلیدِ شخصی۔ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث کے مطابق عہد صحابہ و تابعین میں فقہاے مجتہدین نے اجتہاد فرمائے اور ان کے اجتہادی مسائل پر امت کا عمل بھی جاری رہا جو تقلید ہے۔

الغرض تقلید کی مشروعیت پر پہلی صدی میں ہی اجماع قائم ہو گیا تھا جو دوسری صدی ہجری میں بھی برقرار رہا اور ائمۂ اربعہ کے عہدِ اخیر میں بھی اس کے مطابق امت عمل پیرا رہی اور آج بھی عمل پیرا ہے تو اصل اجماع۔ جو فقہاے مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے۔ پہلی دوسری میں منعقد ہو گیا تھا اس لیے دوسری صدی کے بعد امت کے اتفاق پر اجماع یا اجتماع کے اطلاق میں کوئی مضائقہ نہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے مذاہب دوسری صدی ہجری اور امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے مذاہب تیسری صدی ہجری میں وجود میں آئے، پھر بعد کی صدیوں میں مشہور ہوئے اور ان ائمہ سے کم پایے کے مجتہدین و فقہانے ان کے مذاہب پر عمل کیے، یہاں تک کہ ان مذاہب کی شہرت کے ساتھ ساتھ عام طور پر ان پر عمل بھی ہونے لگا، اور کچھ دنوں بعد تمام اہلِ سنت انھیں چار مذاہب میں منحصر ہو گئے اور یہ خبر شہرت و تواتر

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۹۷.

کے ساتھ دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی اس طرح اس پر علمانے اجماع نقل فرمایا۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ "دو صدی کے بعد کوئی اجماع کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔" تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دو صدی کے بعد اسلام دنیا کے چپے چپے میں پھیل گیا اور فقہا و مجتہدین بھی تمام علاقوں میں منتشر ہو گئے اور ساری دنیا کے سارے فقہا و مجتہدین کا موقف کسی امر میں ایک شخص کے لیے معلوم کر لینا سخت دشوار اور مشکل ترین امر ہے خاص کر اس زمانے میں جب کہ پیغام آنے، جانے کے ذرائع بہت ہی محدود ہوں۔

لیکن جب مسئلہ حاجات عامہ سے ہو، اور وہ بھی پوری زندگی و مابعد زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہو، جس پر ہر جگہ عمل ہو، جابہ جا اس کا چرچا ہو اور صدیوں پر محیط ہونے کی وجہ سے اس کی خبر ہر طرف یوں پھیل جائے کہ شہرت و تواتر کی حد کو پہنچ جائے تو اس پر اجماع کا دعویٰ صحیح ہوگا اور یہ اپنی انفرادی خصوصیات کی وجہ سے "فھو کاذب" کے عموم سے خارج قرار پائے گا۔ فروعی مسائل میں ائمۂ اربعہ کی تقلید کا مسئلہ ایسا ہی ہے۔

میں نے آپ کے سوال کے جواب میں جو کچھ کہا ہے وہ کلام علما، بالخصوص کلامِ اعلیٰ حضرت کی تفہیم ہے، ہمارے بزرگوں کے کلام میں کوئی تعارض نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے طور پر اس کی مناسب وضاحت کر دی ہے خدا کرے آپ کے قلوب مطمئن ہوں۔

سوال نمبر (۲)—ادھر کچھ دنوں سے بعض مسائل میں اجماع کا لفظ سننے میں آ رہا ہے، کچھ علما فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں اجماع ہے اور کچھ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اجماع آخر کیا چیز ہے اور کیا قرآن و حدیث میں اس کا ذکر ہے؟

جواب: "اجماع" فقہ کے چار دلائل میں سے تیسری بڑی دلیل ہے جس کا ثبوت کتاب اللہ سے بھی ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی اور عقلی دلائل بھی اس کے شاہد ہیں۔ "کسی امر شرعی پر ایک عصر کے مجتہدینِ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کے اتفاق" کا نام اجماع ہے، یہ خداے بزرگ و برتر کی طرف سے امت محمدیہ کا اعزاز ہے کہ اس نے کسی امر دینی پر ان کے اجماع کو حجت قرار دیا اور رسولِ گرامی وقار ﷺ نے اس اجماع کے خطا سے معصوم و محفوظ ہونے کی سند عطا فرمائی۔

ارشاد باری ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا [1]

اور جو رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہو چکی اور مومنوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بری پلٹنے کی جگہ۔

اجماع بلاشبہ "سبیل المومنین" یعنی مومنوں کی راہ ہے اور اس کے سوا راہ اپنانے پر جہنم کی وعید ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنین کی راہ پر چلنا لازم ہے تو ثابت ہوا کہ اجماع حجت ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تجتمع أمتي على الضلالة.

میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوگا۔

اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے مروی ہیں کہ ان کا مجموعہ اپنے مفہوم و معنیٰ کے لحاظ سے تواتر کی حد تک پہنچ جاتا ہے جو بلاشبہ حجت ہے۔

مسلم الثبوت میں ہے کہ امام ابو اسحاق اسفرائنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اجماعی مسائل کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۷)- کیا شاگرد اپنے استاد سے، مرید اپنے پیر سے مسائل میں اختلاف کرسکتا ہے؟

جواب: ادب کے ساتھ فروعی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے اور یہ فقہا کے درمیان شائع ذائع ہے اور مذاہبِ اربعہ کی فقہی کتابوں میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

قرآنِ پاک کی یہ آیتِ کریمہ آپ نے بار بار پڑھی ہوگی:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

(۱) القرآن المجيد، سورة النساء: ٤، الآية: ١١٥.

یعنی اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

تو فرشتے تو معصوم ہیں انھیں کہہ دینا چاہیے تھا۔ آمنا و سلمنا مگر انھوں نے یہ نہ کہا۔ قرآن کہتا ہے:

قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ.

(پروردگار تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور خوں ریزی کرے گا حالاں کہ ہم لوگ تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں۔)

اگر ادب کے ساتھ فرشتے اللہ کی بارگاہ میں اپنی بات عرض کرسکتے ہیں تو شاگرد استاذ کی بارگاہ میں اور مرید پیر کی بارگاہ میں بھی عرض کرسکتا ہے اور اس کے سیکڑوں نظائر موجود ہیں۔

حضور سیدی غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی یہ محفل ہے اور ہم لوگ اللہ کی رحمتوں میں اس وقت نہارہے ہیں سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیضان جاری ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ آپ سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقہی مذہب کیا ہے؟ ہمارا ایک مقالہ شائع ہوچکا ہے "اہلِ سنت کی آواز" میں۔ میں نے اس میں تحقیق کرکے بتادیا ہے کہ ابتدا میں وہ حنبلی مذہب رکھتے تھے اور بعد میں جب ولایت عظمیٰ اور قطبیت کبریٰ کے منصب پر فائز ہوگئے تو خود ہی وہ مجتہد ہوگئے اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتے تھے۔ اب آپ لوگ بتائیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر کبھی عمل کیا، یا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کیا اور ان کی تقلید کی؟ آپ کا جواب یہی ہوگا کہ کبھی نہیں۔

فقہی امور میں وہ تابع اور مقلد ہیں سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ تو تعبیر کے فرق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ادب کے ساتھ اپنے پیر سے ایک قسم کا اختلاف ہی تو ہے کہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقہی مذہب کچھ اور، اور ان کے بالواسطہ مرید خاص اور عاشق کا فقہی مذہب کچھ اور۔ اصطلاح میں اس کو اختلاف نہ کہیں گے۔ مگر فرق تو ہے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا مذہب کچھ اور ہے اور حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب کچھ اور ہے۔

فقہائے مجتہدین میں امام اعظم علیہ الرحمہ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں ہے۔ امام محمد بن ادریس شافعی

علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تمام فقہا فقہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے محتاج ہیں۔ آپ کے تلامذہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام حسن بن زیاد، امام زفر، امام فضیل وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب آپ سے کثیر مسائل میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ اچھا یہ بھی ایک اتفاق ہے ہم لوگ حنفی ہیں خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، ہم حنفی ہیں یوسفی اور محمدی نہیں ہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے۔ مگر ان سب کے باوجود کثیر مسائل میں ہمارے فقہا اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے امام یوسف اور امام محمد کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ تو یہ استاذ اور شاگرد ہی کا تو مسئلہ ہے تو ادب کے ساتھ سب کچھ ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے تو ہم لوگ بھی ان کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ یہ سب کچھ بظاہر اختلاف کی ایک صورت ہے ورنہ حقیقت میں کچھ بھی اختلاف نہیں، یہ ایک دقیق بحث ہے، ہم یہاں صرف یہی بتانا چاہتے ہیں کہ بظاہر جس کو لوگ اختلاف کہتے اور اختلاف سمجھتے ہیں اس طرح کا اختلاف آج کے دور میں بھی بالغ نظر فقہا کر سکتے ہیں جس کے بے شمار نظائر کتب فقہ میں موجود ہیں۔

سوال نمبر (۸)۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ایک شعر ہے:

الوہیت ہی احمد نے نہ پائی
نبوت ہی سے تو عاطل ہے یاغوث

اس کے حصر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو نبوت کے سوا سارے درجات حاصل ہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: "الوہیت ہی احمد نے نہ پائی" یعنی سرکار ابد قرار احمد مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا و معبود نہیں ہیں اور حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ نبی اور رسول نہیں ہیں۔ باقی دوسرے مراتب آپ کو حاصل ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کی مزید وضاحت اس کے بعد والے شعر میں کر دی ہے، واقعہ یہ ہے کہ:

ایک ہی شعر میں بہت سے معانی سمونا کبھی کبھی بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے دو، بلکہ بسا اوقات تین، تین اشعار میں مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔ اب وہ بعد والا شعر سنیے،

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

صحابیت ہوئی پھر تابعیت
بس آگے قادری منزل ہے یاغوث

یہاں پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ سارے فضائل سے مراد کیا ہیں وہ صحابیت اور تابعیت کے بعد کے فضائل ہیں۔ شریعت طاہرہ کی تین اصطلاحات ہیں۔ صحابیت، تابعیت، ولایت۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔

اس آیت میں مہاجر و انصار صحابہ پھر ان کے تابعین کا ذکر ہے اور احادیث نبویہ تو فضائل صحابہ میں کثیر ہیں اور تابعین کا بھی ذکر کیا گیا ہے

صحابی کے عنوان سے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ مومنین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور تابعین کے عنوان سے صحابہ کے فیض یافتہ مومنین کا ذکر کیا جاتا ہے یہ تو مستقل اصطلاحات ہیں۔

ایک تیسری اصطلاح ہے ولایت، اس کا ذکر بھی کتاب و سنت میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً ارشاد باری ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝

اور ولایت کے بھی ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ کئی مراتب ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ نبی ہو نہیں سکتے کہ حضور خاتم الانبیا کے بعد یہ ممکن نہیں، اس کے بعد سب سے اونچا مرتبہ صحابیت کا ہے پھر تابعیت کا، جو عہد نبوی اور عہد صحابہ کے خوش نصیب مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے اس کے بعد سب سے اونچا مرتبہ ولایت کا ہے اور یاغوث پاک آپ ولایت کے سب سے اونچے منصب پر فائز ہیں۔ اس کو آپ اس حیثیت سے سمجھ سکتے ہیں کہ صحابیت ایک اختیاری امر ہے کہ آدمی مشرف بہ اسلام ہو کر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لے، تابعیت بھی اختیاری امر ہے کہ مشرف بہ اسلام ہو کر صحابہ کی صحبت اختیار کر لے۔ یہ اختیاری چیز ہے مگر نبوت کسبی نہیں، وہبی ہے اور ولایت بھی کسبی نہیں،

وہی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جو یہ فرمایا: "نبوت ہی سے تو عاطل ہے یا غوث" تو یہ اس حیثیت سے فرمایا کہ وہبی امور میں، غیر کسبی اور غیر اختیاری امور میں نبوت کے بعد جو مقام ہے وہ مقامِ ولایت ہے اور ولایت میں حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کا رتبہ سب سے اونچا ہے۔

سوال نمبر (۹)۔

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے — سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے پہلے آپ کا احترام کیسے ہوا؟ جب کہ آپ اس وقت موجود ہی نہ تھے، پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اور آپ کے بعد اولیاء اللہ احترام رکھتے ہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟

جواب: اچھا سوال ہے "ماشاء اللہ" بہجۃ الاسرار شریف میں اس سلسلے میں ایک روایت ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اسی روایت کی ترجمانی کی ہے۔ خود اپنی طرف سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے کچھ نہیں لکھا ہے، روایت تو بہت لمبی ہے۔ اس کا بہت اختصار کے ساتھ ترجمہ یہ ہے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی سے سرفراز کیا۔ اور بہت کچھ اسرار کے علوم عطا فرمائے۔

حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے یہ بشارت دی کہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے پہلے جو اولیاء اللہ ہیں وہ بھی ادب رکھتے تھے اور جو موجودہ اولیاء اللہ ہیں وہ بھی ادب رکھتے ہیں اور جو بعد کے اولیاء اللہ ہیں وہ بھی ادب رکھتے ہیں۔

اس کی وضاحت علما نے یہ کی ہے کہ موجودہ اولیاء اللہ تو جسم و روح کے ساتھ ادب کرتے ہیں اور جو پہلے کے اولیاء اللہ ہیں ان کی ارواح طیبہ نے اطاعت قبول کی، اور جو بعد کے اولیاء اللہ ہیں ان کی بھی ارواح طیبہ نے آپ کی اطاعت کی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کو یہ الہام ہوا اور روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے کہ وہ اپنے منصب کا اعلانِ عام کردیں۔ تو سرکار غوثِ پاک رضی اللہ عنہ نے اپنے منصب کا اعلانِ عام فرمایا: "قدمی ہذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ" یعنی میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ تو اس وقت جو ولی جہاں تھے وہیں انھوں نے اپنا سر جھکا دیا کہ حضور آپ کا قدم میری گردنوں پر ہے۔ جو

موجود تھے انھوں نے سر جھکایا اور جو ماؤں کے شکم میں تھے یا باپ کی پشت میں تھے انھوں نے بھی وہیں سر جھکایا اور انھیں وہیں اس کی اطلاع ملی اور جو بعد میں آنے والے تھے ان کی روحیں جھک گئیں۔

اس کی نظیر یہ قرآنی واقعہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا "وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ" یعنی لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ تو انھوں نے اعلان کر دیا۔ اور روایات میں یہ آیا ہے کہ جتنی ارواح کی قسمت میں یہ ہے کہ وہ حج و زیارت سے شرف یاب ہوں گے تو سب نے اس پر لبیک کہا۔ موجودین نے بھی، اور جو غیر موجود تھے انھوں نے بھی۔ اور جو جہاں تھے، جس شکل میں تھے انھوں نے وہیں سے اسی شکل میں لبیک کہا یعنی ارواح نے بھی کہا۔ اور جنھوں نے دو بار لبیک کہا، وہ دو بار حاضر ہوں گے۔ اور جو دس بار لبیک بولے وہ دس بار حاضر ہوں گے اور جو لوگ کسی وجہ سے چپ رہ گئے تو وہ محروم رہ گئے۔ کچھ یہی حال اعلانِ غوثیت اور اولیا کی اطاعت کا ہے۔

سوال نمبر (۱۰)۔ بعض علما کے بیانات سے ہمیں ایسا لگا کہ اہلِ باطل کا رد ہر فرد مسلم پر ضروری ہے، کیا واقعہ یہی ہے، اگر ایسا ہے تو بے چارے عوام کیسے رد کریں گے؟ کیا یہ ان کے بس میں ہے؟

جواب: رد و انکار تو سب پر ضروری ہے مگر شریعت طاہرہ نے ہر ایک کو ایسے ہی رد کا مکلف و ذمہ دار کیا ہے جو اس کے بس میں ہو۔ صحابیِ رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَّاٰی مِنکم مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ، فَاِنْ لَّم یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَاکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔ (۱)

تم میں سے جو کوئی شخص خدا اور رسول کی معصیت و نافرمانی کا کوئی کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے (روک دے) اگر یہ بس میں نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اور اگر یہ بھی بس میں نہ ہو تو دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور تر حصہ ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ معصیت کو ہاتھ سے روک دینا اور اس پر پابندی لگا دینا حکام

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص: کتاب الایمان، مجلس البرکات، مبارکفور۔

کی ذمہ داری ہے اور زبان سے روکنا علما کی ذمہ داری ہے اور دل سے بُرا جاننا عوام الناس کی ذمہ داری ہے۔

یہاں سے واضح ہوا کہ شریعت مطہرہ نے حکّام اور علما اور عوام پر رد و انکار کی بس اتنی ہی ذمہ داری عاید کی ہے جو ان کے بس میں ہے لہذا جو جس طرح کے رد و انکار کا مکلف و ذمہ دار ہے وہ اسے بجالائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۱)- کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حرمین شریفین کے لیے حکمراں کا انتخاب من جانب اللہ ہوتا ہے اس لیے وہاں کے وہابی اماموں کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے۔ اور اگر ان کے پیچھے نماز صحیح نہ ہو تو لازم آئے گا کہ عرصۂ دراز سے مسجد حرام اور مسجد نبوی بے نماز رہی ہوں۔

جواب: پھر تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ عرصۂ دراز تک وہاں شیعوں کے ایک خاص فرقے قرامطہ کی حکومت تھی تو ان کا انتخاب بھی منجانب اللہ ہوا، لہذا ان کے پیچھے بھی نماز صحیح ہونی چاہیے، بلکہ ایک زمانے تک مکہ شریف پر مشرکوں کا تسلط تھا اور کعبۃ اللہ شریف میں سیکڑوں بتوں کی پرستش ہوتی تھی تو ان کی امامت کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے پھر ہمارے قبلۂ اول بیت المقدس پر تو آج بھی یہودیوں کی حکومت ہے تو چاہیے یہ انتخاب بھی منجانب اللہ ہو اور ان کے پیچھے بھی نماز صحیح ہو، ایسی بے تکی دلیل اور غلط موقف سے عقل والوں کو بچنا چاہیے۔

یوں ہی یہ بات بھی بیجا ہے کہ وہابی امام کے پیچھے نماز صحیح نہ ہو تو مسجد حرام اور مسجد نبوی شریف کا نماز و عبادت سے خالی رہ جانا لازم آئے گا۔ کیوں کہ ان مساجد میں روزانہ بہت سے علما و قراء حفاظ الگ سے جماعت قائم کرتے اور نمازیں ادا کرتے ہیں جو دیکھنا چاہے وہاں جا کر اوقات نماز میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے اور انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے تو بے شمار ہوتے ہیں۔

ہم اہل حق اہل سنت و جماعت انبیا و اولیا کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بناتے اور اسے قبولیت دعا کے لیے مستحسن جانتے ہیں جب کہ وہابی وسیلہ بنانے کو شرک اور وسیلہ کے قائلین کو مشرک

کہتے ہیں جو ہم مسلمانوں کو عقیدۂ حقہ رکھنے کی وجہ سے مشرک کہے اس کے پیچھے ہماری نمازیں ہرگز صحیح نہیں ہو سکتیں حدیث نبوی کا مضمون ہے کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے ایسے میں ان کی اقتدا میں اہل سنت و جماعت کی نماز کیسے درست ہوگی۔ نماز کے صحیح نہ ہونے کی بنیاد عقیدے کی خرابی پر ہے، نہ کہ حرمین شریفین کا حکمراں ہونے، نہ ہونے پر۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین کی صحیح سمجھ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۲)- کبھی لوگ وہابی دیوبندی وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنے کو منع کرتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں؟

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے لیکن فی الحال تنگیٔ وقت کے باعث سارے گوشوں پر گفتگو ممکن نہیں، یوں تو ان کے بہت سے عقیدے برے ہیں مگر یہاں مثال کے طور پر ایک، دو عقیدے بیان کیے جاتے ہیں:

(۱)- ان کا عقیدہ ہے کہ نماز میں گائے، بیل اور گدھے کا خیال آجائے تو نماز ہو جائے گی، اگر نماز میں سرکار رسالت مآب ﷺ کا خیال آجائے تو نماز نہ ہوگی کہ آپ کا یہ خیال تعظیم کے ساتھ آئے گا اور نماز میں غیر اللہ کی تعظیم شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ یہ بات مولوی اسماعیل دہلوی صاحب کی کتاب صراط مستقیم میں ہے، ان کے فارسی کلمات کا ترجمہ یہ ہے:

(زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کا خیال بہتر ہے اور اپنی ہمت (توجہ) کو شیخ اور ان جیسے معظم حضرات۔ گو وہ جناب رسالت مآب ہی ہوں۔ کی طرف مبذول کرنا اپنی گائے اور گدھے کی صورت میں غرق ہو جانے سے کئی گنا زیادہ برا ہے۔ کیوں کہ جناب رسالت مآب کا خیال تعظیم اور اجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے، اس کے برخلاف گدھے اور گائے کا خیال نہ تو دل کی گہرائی میں جاتا ہے اور نہ ہی اس کی تعظیم ہوتی ہے بلکہ ان جانوروں کا خیال ذلت و حقارت کے ساتھ آتا ہے۔ اور نماز میں غیر کی یہ تعظیم ملحوظ و مقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔[1]

(۱) صراطِ مستقیم۔

جب آدمی اسلام سے شرک کی طرف چلا جائے گا تو اس کی نماز بھی نہ ہوگی اور ایمان بھی نہ رہے گا۔ آپ موازنہ کرلیں کہ گاے، بیل اور گدھے کا خیال آئے تو نماز بھی سلامت ،ایمان بھی سلامت۔ اور معظمین یعنی اولیاء اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا خیال آجائے تو ایمان بھی رخصت اور نماز بھی رخصت۔ آپ فیصلہ کرلیں کہ کیا یہ عقیدہ اسلام اور مسلمانوں کا ہوسکتا ہے۔ اب غور کریں کہ یہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی اور گستاخی ہے یا نہیں، یہ تو حضور ﷺ کو گاے، بیل اور گدھے سے بھی گرانا ہوا۔ ان کے نزدیک گاے، بیل اور گدھے کا ایک مقام ہے، لیکن (معاذ اللہ ہزار بار معاذ اللہ) حضور ﷺ کا مقام ان کے نزدیک اس سے بھی گرا ہوا ہے۔ میرے بھائیو! سینے میں اگر عشق مصطفی ہے، محبت رسول ہے اور ضرور ہے تو ایمان سے بتاؤ ایسے کے پیچھے تمھارا ضمیر نماز پڑھنا گوارہ کرے گا؟ اتنی بڑی گستاخی کہ گاے بیل سے بھی نیچے گرادیا۔

اب ایک مسئلہ سنیں، یہ بات آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ اگر نماز میں کسی آدمی کو سلام کریں یا جواب دیں تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ مگر جب ہم التحیات پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھنا واجب ہے۔ تو اپنے آقا کو سلام پیش کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی نہ پوری ہوگی، وہ سلام یہ ہے: "السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته" اے نبی سلام ہو آپ پر اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ تو کیا جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں سلام بھیجیں گے تو حضور کا خیال نہیں آئے گا۔ حضور ﷺ کا خیال تو آنا ضروری ہے اس لیے کہ نماز خشوع و خضوع سے پڑھنے کا حکم ہے، تو جو شخص پوری توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھے گا تو سرکار ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے وقت اس کے دل میں آپ کا خیال ضرور آئے گا۔ التحیات تو یہ لوگ بھی پڑھتے ہیں، اس لیے ان سے پوچھیے کہ تمھارے دل میں سرکار کا خیال ادب کے ساتھ آتا ہے یا بے ادبی کے ساتھ، سرکار کی بارگاہ میں کوئی مسلمان بے ادب نہیں ہوسکتا اور ادب کے ساتھ خیال آئے تو امام الوہابیہ کا فرمان سامنے ہے، اس لیے ایسے امام اور اعتقاد سے دور رہنا ضروری ہے۔

ایک اور عقیدہ سنیں ساری دنیا کے مسلمانوں کا عقیدہ ہے، حدیث پاک اور قرآن کا

عقیدہ ہے نیز صحابہ کا عقیدہ ہے کہ ہمارے حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ مگر ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں یا حضور کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے، یعنی آخری نبی ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ یہ ان کی عجیب منطق ہے یقیناً فرق پڑے گا کیوں کہ یہ عقیدہ عقیدۂ قرآن کے خلاف ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ جو قرآن کے خلاف عقیدہ رکھے وہ مسلمان نہیں ہے اور جو اجماعِ قطعی کے خلاف ساری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف عقیدہ رکھے وہ بھی مسلمان نہیں ہے۔ سچا اور اسلامی عقیدہ وہی ہوتا ہے جو کتاب اللہ سے ثابت ہو، سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو ،اجماع امت سے ثابت ہو اور دیوبندی مذہب کے جن دو عقیدوں کا ابھی میں نے ذکر کیا وہ نہ کتاب اللہ میں ہیں، نہ سنتِ رسول اللہ میں، نہ اجماع سے ان کا تعلق، بلکہ کسی مسلمان کا وہ عقیدہ سلف و خلف میں نہیں رہا۔ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد دجال کذاب ظاہر ہوں گے اور وہ دعویٰ کریں گے کہ وہ نبی ہیں حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اب آپ ہی بتائیں کہ اس کے پیچھے آپ کی نماز ہوگی یا نہیں، آپ تھوڑی دیر کے لیے سوچ سکتے ہیں کہ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، تو یاد رکھیں مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندروں میں کچھ جن قید کر رکھے ہیں، وہ آخری زمانہ میں چھوٹیں گے اور لوگوں کے درمیان آئیں گے اور قرآن پڑھیں گے وہ قرآن اس لیے پڑھیں گے کہ لوگ ان کو مسلمان سمجھیں اور جب لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت گھر کر جائے تو وہ ان کو گمراہ کردیں لہٰذا آپ کو صرف یہ نہیں دیکھنا ہے کہ وہ قرآن پڑھتا ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس کا عقیدہ اس کی کتابوں میں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۳)۔ سرکار ﷺ نے ہمیں مکمل دین عطا فرمایا ہے اس میں ہم کسی طرح سے کمی یا اضافہ نہیں کرسکتے۔ ایک حدیث پاک میں سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم حاصل کرو اگرچہ تمھیں چین جانا پڑے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا علم ہے جس کے حاصل

کرنے کے لیے ہمیں چین تک جانے کا حکم ہوا ہے، حالاں کہ دین مکمل طور سے ہم تک پہنچ چکا ہے؟

جواب: طلبِ علم، کمالِ دین کے منافی نہیں، دین تو کامل و مکمل ہے، البتہ اس کے علوم کے اسرار و حکم کے مظاہر دور دور تک پائے جاتے ہیں جن سے دین کی اور کمالِ دین کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ایسا کوئی علم یا اس کے اسرار کا مظہر چین ہو تو وہاں بھی پہنچ کر حاصل کرلو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علم سرکار دوعالم ﷺ کے عطا کردہ علم کے علاوہ اور کوئی علم ہے۔ جتنے بھی علوم دنیا میں ہیں وہ سب علم دین سے کسی نہ کسی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ سب حدیث نبوی: إنما أنا قاسم و الله يعطي[1] کے مظہر ہیں۔ علم کی دولت ہماری گمشدہ دولت ہے، وہ جہاں کہیں بھی ملے ہمیں حکم ہے کہ ہم اسے اٹھا کر لائیں اور اپنی دولت اپنے قبضے میں کرلیں۔ وہ ہماری دولت چاہے چین میں پائی جائے یا ہندوستان میں یا کہیں اور، بہر حال یہ واضح رہے کہ علم عرفانِ دین و عرفانِ کمالِ دین کا ذریعہ ہے۔ وہ علم چین سے ہی حاصل کیا جائے اس سے دین میں نقص کا کوئی ادنیٰ شبہہ بلکہ شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴)- غیر مقلد ہم کو بدعتی کہتے ہیں۔ آخر حقیقت کیا ہے؟

جواب: غیر مقلدین خود ہی بدعتی ہیں، ان کے عقائد بدعت ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جو چیز نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہو وہ بدعت ہے۔ تو وہ خود اس وقت موجود نہ تھے نہ ان کی جماعت تھی۔ نیز یہ اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے ہیں مگر معاملہ اس کا الٹا ہے، بے شمار حدیثیں ہیں جن کے خلاف ان کا عمل و فتویٰ ہے۔ رسالہ مبارکہ "الكوكبة الشهابيه" میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ان کے جتنے عقائد شمار کیے ہیں وہ سب کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے خلاف ہیں اور جو مذہب کتاب و سنت کے خلاف ہو وہ ضرور "بدعت ضالہ" ہے جس کا انجام جہنم ہے۔ جو چیز حدیثِ پاک سے ثابت ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً جمعہ کے دن اذانِ خطبہ مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں خطبے کی اذان مسجد کے باہر ایسی جگہ سے دی جاتی تھی جہاں سے خطیب اور مؤذن کا سامنا ہو۔ یہ لوگ اس کے بر

(۱) الصحيح للبخاري، ج:۱، كتاب الإيمان.

خلاف مسجد کے اندر امام کے سر پہ اذان دیتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[1]

یعنی: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حکم مانو اولو الامر کا۔

سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "اولو الامر" سے مراد فقہائے مجتہدین ہیں، اور فقہائے مجتہدین میں سرِ فہرست حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ہیں، یہ چاروں ایسے مجتہدین ہیں جن کا پورا پورا مذہب محفوظ ہے۔ اور تواتر کے ساتھ بعد کی امت تک پہنچا ہے۔ اب غور کریں کہ فقہی مسائل میں ان حضرات میں کسی ایک کی پیروی کرنا بدعت ہے یا قرآن کے مطابق عمل۔

اگر یہ بدعت ہے تو یہ بدعت ہم کو مبارک، اور قرآن کو چھوڑنا اور اسے پسِ پشت ڈالنا ان غیر مقلدوں کو مبارک۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) القرآن الحكيم، الآية: ۵۹، النساء: ۴.

(۲) اس پر تفصیلی معلومات کے لیے سراج الفقہا کی عظیم الشان کتاب: "صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف" مطالعہ کریں۔

۲

کتاب الطھارۃ

(طہارت کے مسائل)

طہارت نماز کے لیے اتنی ضروری چیز ہے کہ بغیر اس کے نماز ہی نہیں ہوتی، بلکہ جان بوجھ کر بے طہارت نماز ادا کرنے کو علما کفر لکھتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جس نے بھی بے وضو یا بے غسل نماز پڑھی تو اس نے عبادت کی بے ادبی اور توہین کی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کی کنجی نماز ہے، اور نماز کی کنجی طہارت۔ اس حدیث کو امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن مدنی آقا ﷺ نے سورہ روم کی تلاوت کی جس میں متشابہ لگا، بعدِ نماز ارشاد فرمایا: کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اچھی طرح طہارت نہیں کرتے، انھیں کی وجہ سے امام کو قرأت میں شبہ ہوتا ہے۔ آپ غور کریں کہ جب بغیر کامل طہارت کے نماز پڑھنے کا یہ وبال ہے تو بے طہارت نماز کی نحوست کا کیا حال ہوگا۔

حدیثِ پاک میں طہارت کو نصفِ ایمان قرار دیا ہے۔ طہارت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) طہارتِ صغریٰ (۲) طہارتِ کبریٰ۔

طہارتِ صغریٰ وضو ہے، اور طہارتِ کبریٰ غسل۔ جن چیزوں سے صرف وضو لازم ہوتا ہے انھیں حدثِ اصغر کہتے ہیں اور جن سے غسل فرض ہو ان کو حدثِ اکبر کہتے ہیں۔ (مرتب غفرلہ)

سوال نمبر (۱۵)۔ کیا جنابت کی حالت میں کھا، پی سکتے ہیں؟

جواب: جنابت کی حالت میں کھا بھی سکتے ہیں اور پی بھی سکتے ہیں، البتہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی پر غسل واجب ہے اور وہ کچھ کھانا یا پینا چاہ رہا ہے، تو اسے چاہیے کہ وضو کر

لے جیسا کہ نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے ورنہ کم سے کم اچھی طرح سے ہاتھ، منہ دھو کر کلی کر لے۔(۱)

لیکن نماز کا وقت آجائے تو اس پر نہالینا فرض ہے تاکہ نماز قضا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۶)۔ گوبر حرام و ناپاک ہے، گاؤں میں گوبر کے اُپلے گھروں میں لگائے جاتے ہیں اور ان سے بائیو گیس تیار ہوتی ہے اور کھانا بھی بنتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اُپلے کا استعمال بھی جائز ہے اور بائیو گیس کا بھی، اس میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ کھانے میں گوبر یا اس کی ناپاکی نہیں پہنچتی، بلکہ جب اُپلے سے کھانا پکتا ہے تو وہ خشک و سوکھا ہوتا ہے اور جب آگ نے اسے جلا دیا اور اس سے آگ نکلی تو وہ آگ ناپاک نہیں بلکہ اُپلے کی ناپاکی بھی شعلہ بن جانے کی وجہ سے دور ہو گئی اور اُپلا اب پاک ہو گیا اور یہ پاک آگ صرف برتن کو چھوتی ہے اس لیے کھانے میں کوئی کراہت نہیں ایسے ہی جب اس سے بائیو گیس تیار ہوئی تو آگ لگاتے ہی وہ گیس جلتی ہے اور گیس کے جلنے کے وقت کھانے کے برتن کے ساتھ جو چیز مَس ہوتی ہے وہ گیس نہیں بلکہ آگ ہے اور آگ پاک ہے تو کھانا پاک ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے کوئی سوچ سکتا ہے کہ جب گیس چالو کرتے ہیں تو اس کے بعد ہی اس میں آگ لگاتے ہیں تو تھوڑی گیس برتن کو چھو سکتی ہے تو برتن کا اتنا حصہ ناپاک ہو جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے ہی گیس میں آگ لگائیں گے وہ آگ گیس کو جلا کر برتن کو پاک کر دے گی اور اس میں پکا ہوا کھانا اگر پاک تھا تو پاک ہی رہے گا لہٰذا اس سے کھانا پکانے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷)۔ پان کھانے سے دانتوں میں جو داغ پڑ جاتے ہیں ان کے اندر پانی سرایت نہیں کرتا تو کیا وہ نیل پالیش (Nail Polish) کے حکم میں ہیں، اگر ہیں تو جن

(۱) حدیثِ پاک میں ہے: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، قالت: ان النبی ﷺ کان اذا اراد ان یاکل او ینام توضأ تعنی و ھو جنب۔
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حالتِ جنابت میں جب کچھ کھاتے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو فرما لیتے۔ (سنن ابی داود، کتاب الطہارۃ، ص: ۲۹) مرحت

کے دانتوں میں یہ داغ لگے ہیں کیاان کا وضو وغسل درست ہوگا، یاپھر وضو وغسل کے وقت ان دانتوں کو بھگوناپڑے گا؟

جواب: ایسی کوئی بات نہیں۔ نیل پالش کا مسئلہ الگ ہے اور اس کا الگ۔ نیل پالش کو عورتیں استعمال کرتی ہیں یہ صرف زینت کے لیے ہے اس سے اور کوئی فائدہ مقصود نہیں ہے نیز اس کی تہ جم جاتی ہے، اس کے بر خلاف پان کی تہ ابتداءً نہیں جمتی اور یہ زینت کے لیے نہیں۔ جن لوگوں کو پان کی عادت ہے وہ پان نہ کھائیں تو بے قرار ہوجاتے ہیں، ایک طرح سے وہ پان کے مریض ہیں، ان کا آسان علاج دنیا میں کوئی چیز نہیں سوائے پان کے۔ اب بار بار پان کھانے سے اس کی کچھ تہ جم جاتی ہے اور گویا وہ دانت کے درجے میں ہوجاتی ہے لہٰذا اس کے ساتھ ان کا وضو وغسل صحیح ہے کیونکہ اگر وہ اس کو صاف کرنے کی کوشش کریں گے توان دانتوں میں سوراخ ہوجائے گا، خون آئے گا اور اس کے علاوہ دوسری پریشانیاں ہوں گی اس لیے حکم یہ ہے کہ اگر آسانی سے چونا وغیرہ چھوٹ جائے تو اسے صاف کرنا واجب ہے، ورنہ معاف ہے۔[1]

اس کے بر خلاف نیل پالش ناخن پر لگائی جاتی ہے اور زینت و آرائش کے سوا اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں، یہ نہ توکوئی مرض ہے اور نہ ہی کسی مرض کا علاج یہ محض زینت ہے، اس لیے اس کا حکم الگ ہے اور پان کا حکم الگ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۸)— رات میں جب غسل فرض ہوجائے توکیا کرنا چاہیے؟

جواب: جب آدمی پر غسل فرض ہوجائے تو اسے چاہیے کہ استنجا کرکے اپنے بدن پر لگی ناپاکی کو دھولے اور اس کے بعد اچھی طرح وضو کرلے، جیساکہ نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چاہے تو سو رہے اور اس حالت میں کچھ کھانا پینا چاہے توکھاپی سکتا ہے، کوئی حرج نہیں۔ البتہ نماز کا وقت آجائے تو اس پر نہانا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۹)— آج کل عام طور سے انگریزی بیت الخلا بنا ہوتا ہے اور اس کے پاس ٹیشو پیپر رکھا ہوتا ہے تو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج:۲، ص:۱۸، مطبوعہ رضا اکیڈمی میں ہے۔

جواب: اولاً انگریزی بیت الخلا بنوانا ہی نہیں چاہیے، کیوں کہ اس میں پانی بھرا رہتا ہے جو ناپاک ہے اور اس پانی پر جب دباؤ پڑتا ہے تو وہ چھلکتا ہے جس کی وجہ سے بدن ناپاک ہوجاتا ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ اپنے بدن اور کپڑے کو جان بوجھ کر ناپاک کرنا حرام ہے، البتہ جو کسی وجہ سے مجبور ہے وہ معذور ہے۔

رہ گیا **ٹیشو پیپر کا مسئلہ** تو اس کا مصرف سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ جس کام کے لیے وہ بنا ہے اس میں استعمال کیا جائے بلکہ جسم کو گندگی سے بچانے کے لیے اس کا استعمال کرنا ضروری ہے، ایسے بیت الخلا میں اگر ٹیشو پیپر پہلے ڈال دیں پھر بیٹھیں تو پانی چھلک کر اوپر نہیں آئے گا، اپنے بدن کو ناپاکی سے بچانے کے لیے اسے ڈالنا ہی چاہیے، مگر اپنے گھروں میں یہ سب چیزیں نہ لائیں، اگر کہیں پھنس گئے ہوں تو استعمال کی اجازت ہے، ہندوستانی طرز کے جو استنجا خانے ہیں ان کو استعمال کرنے میں اچھائی ہے اور نجاست سے حفاظت اور بچاؤ بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۲۰)— مذی، منی اور ودی میں کیا فرق ہے؟

جواب: پیشاب کرنے سے پہلے یا اس کے بعد سفید رنگ کی جو چکنی رطوبت نکلتی ہے اسے ودی کہتے ہیں۔ اور بیوی سے چھیڑ چھاڑ کے وقت یا جنسی خواہش پیدا ہونے کے بعد آلۂ تناسل کے انتشار سے جو چکنا سفید مادہ پیشاب کے راستہ سے خارج ہوتا ہے اور رقیق و پتلا ہوتا ہے وہ مذی ہے۔ اور گاڑھی چکنی، سفید رطوبت جو جماع کی وجہ سے سوتے یا جاگتے میں نکلے یا بے خوابی کی صورت میں نکلے، جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے وہ منی ہے۔ یہ مادہ اُچھلتے اور کودتے ہوئے باہر آتا ہے اس کے نکلنے سے سستی اور کمزوری محسوس ہوتی ہے جب کہ ودی اور مذی کے نکلنے سے کوئی سستی اور کمزوری محسوس نہیں ہوتی، عورت کی منی پتلی و رقیق ہوتی ہے۔ منی کے نکلنے سے مرد و عورت ہر ایک پر غسل واجب ہوتا ہے بر خلاف مذی اور ودی کے کہ یہ صرف ناقض وضو ہیں۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) حدیث پاک میں ہے: عن علی قال : کنت رجلا مذاء فسألت النبی ﷺ... فقال اذا رأیت المذی فتوضأ و اغسل ذکرک ، و اذا رأیت الماء فاغتسل.

سوال نمبر(۲۱)۔ کھڑے ہوکر وضو کرنا کیسا ہے؟

جواب: وضو تو ہوجائے گا مگر کھڑے ہوکر وضو کرنا خلاف سنت ہے جہاں مجبوری ہو مثلاً کوئی ٹرین میں ہے اور وہاں بیٹھ کر وضو کرنا دشوار ہے تو اس صورت میں معاف ہے لیکن جہاں مجبوری نہ ہو وہاں بیٹھ کر، قبلہ رو ہوکر بسم اللہ پڑھ کر اور نیت کر کے سنت کے مطابق وضو کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر(۲۲)۔ الٹے کپڑے میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس میں ذرا تفصیل ہے وہ یہ کہ الٹا کپڑا لوگ کئی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں مثلاً مصلیٰ الٹ گیا تو پوچھتے ہیں نماز ہوئی یا نہیں، یا سلی ہوئی لنگی پہن لیتے ہیں تو اس کو بھی الٹی کہتے ہیں حالانکہ لنگی اور مصلیٰ میں شرعاً الٹا، سیدھا نہیں ہوتا اور جو کپڑے پہنے جاتے ہیں جیسے کرتا، پاجامہ ان میں الٹا سیدھا ہوتا ہے اس طرح کے کپڑوں کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے الٹا کپڑا پہن کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوگی۔ اگر دوبارہ نہیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر(۲۳)۔ کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: کپڑے پر اگر کہیں نجاست لگ گئی ہو تو اسے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر نجاست جرم دار ہے کہ آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے تو پہلے اس کو دور کرے اور پھر اتنا پانی ڈالے کہ اسے نجاست کے دور ہوجانے کا اطمینان ہوجائے۔

اور اگر نجاست جرم دار نہیں ہے جیسے پیشاب اور شراب وغیرہ تو اس طرح کی نجاستوں کے پاک کرنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ پانی ڈال کر اس کو اچھی طرح ملیں اور پوری طاقت لگا کر نچوڑیں

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ کے ذریعہ) اس کا مسئلہ دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ جب تم مذی دیکھو تو آلہ تناسل دھو کر وضو کرلیا کرو، اور منی دیکھو تو غسل کرو۔

(سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، ج:۱، ص:۲۳) ۱۲ رحمت

کہ اس میں سے پانی ٹپکنا بند ہوجائے، پھر کپڑے کو الگ رکھیں اور اپنے ہاتھ کو پانی سے اچھی طرح دھولیں، اس کے بعد پھر اس کپڑے پر پانی بہائیں اور ملیں اور پہلے کی طرح نچوڑیں اور اس کے بعد اپنے ہاتھ کو دھوئیں، اسی طرح تیسری مرتبہ بھی کریں اب یہ کپڑا پاک ہوگیا۔

یہ کام اپنے ہاتھ سے کرنا چاہیے بیوی سے نہیں کرانا چاہیے، کیوں کہ مسئلہ یہ ہے کہ یہ کام جس سے کرا رہے ہیں اگر وہ طاقت میں اس سے کم ہے اور اس کے نچوڑنے سے قطرہ بند ہو گیا لیکن خود اس شخص مثلاً شوہر کے نچوڑنے سے اور قطرہ نکلے گا تو یہ اس کے حق میں ابھی بھی ناپاک ہے۔

دوسرا طریقہ یہ کہ ایک مجبوری پیش آسکتی ہے کہ کپڑا بہت پرانا ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر پوری طاقت لگادیں گے تو کپڑا ہی پھٹ جائے، اگر ایسی بات ہو تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ کپڑے پر خوب تیزی سے پانی بہائیں اور اس کو ملتے جائیں یہاں تک کہ اطمینان ہوجائے کہ اب نجاست ختم ہوگئی تو اس کو ہلکے سے ہی نچوڑنا کافی ہوگا۔ اس میں زیادہ پانی خرچ ہوگا۔

اور کم پانی خرچ ہونے کی صورت یہ ہے کہ کپڑا دھو کر رسی پر ڈال دیں جب پانی ٹپکنا بند ہوجائے تو پھر دھوئیں اور رسی پر ڈال دیں، پانی بند ہوجائے تو ایک بار پھر دھو کر رسی پر ڈال دیں یہاں تک کہ کپڑا خشک ہوجائے۔

یہ طریقہ بوسیدہ کپڑوں کے پاک کرنے کا بھی ہے اور ان کپڑوں کے پاک کرنے کا بھی ہے جن سے نچوڑنے پر پورا پانی نہیں نکل پاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر(۲۴)۔ جماعت کھڑی ہے اور وضو خانے پر کافی بھیڑ ہے اگر وضو کرتے ہیں تو جماعت چلی جائے گی تو کیا ایسے حالات میں تیمم کر سکتے ہیں؟

جواب: نہیں، ایسی صورت میں تیمم نہیں کرسکتے، بلکہ وضو کریں اور اگر جماعت چلی جائے اور الگ جماعت کرنا ممکن ہو تو الگ جماعت کرلیں، ورنہ تنہا نماز پڑھ لیں لیکن بغیر وضو بنائے نماز نہ پڑھیں کہ وضو فرض ہے اور جماعت واجب، اور واجب کے لیے فرض نہیں چھوڑا جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا تقبل صلوۃ من احدث حتی یتوضا." (۱)

بے وضو کی نماز مقبول نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ وضو کرلے۔

نماز عبادات مقصودہ سے ہے اور اس سے مقصود ثواب ہے تو جب ثواب ہی نہیں ملے گا تو نماز بھی نہ ہوگی اور نماز مقبول نہ ہوگی تو ثواب بھی نہ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۲۵)- کیا موجودہ دور میں صابن اور بہترین قسم کے کپڑے دھونے والے آلات ہونے کے باوجود بھی تین مرتبہ بقوت نچوڑنا کپڑے کی پاکی کے لیے ضروری ہے، یا ایک مرتبہ دھونے اور بلا نچوڑے کپڑا پاک صاف ہو جائے گا۔

جواب: جو نجاست دِکھتی نہیں ہے اس کے بارے میں ہمارے علماے کرام کا فتویٰ اب تک یہی ہے کہ اسے دھو دھو کر تین بار اس طرح نچوڑیں کہ قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں نجاست کے دور ہونے کا علم حاصل ہونا دشوار ہے۔ کیوں کہ نجاست دِکھتی نہیں ہے تو کیسے اطمینان حاصل کیا جائے کہ وہ کپڑے سے دور ہو چکی۔ صابن کی ایجاد فقہاے کرام کے عہد میں ہو چکی تھی، پھر بھی انھوں نے تین بار اچھی طرح نچوڑنے کی شرط رکھی، وہ اسی لیے کہ جب حقیقت کا علم دشوار ہو تو اس کے سببِ ظاہر کو ہی اس کے قائم مقام مان لیا جاتا ہے اور تین بار میں خوب اطمینان اور ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے کہ نجاست دور ہو چکی پھر یہ اس کا سببِ ظاہر بھی ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ نجاست دور ہو چکی، اگر یہ سببِ ظاہر نہ ہو تو حقیقت کا علم نہ ہو سکے گا۔ اس لیے آج کے دور میں بھی وہ شرط باقی ہے۔ فی الحال میرے ذہن میں یہی توجیہ ہے ممکن ہے اس میں آئندہ آسانی کی کوئی اور راہ نکل سکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) صحیح البخاری، ج:۱، ص:۲۵، کتاب الوضو/ باب لا تقبل صلوۃ بغیر طہور.

(۳)

کتاب الصلاۃ

(نماز کے مسائل)

توحید ورسالت کے عقیدے سے مزین ہونے کے بعد تمام فرض عبادتوں میں سب سے اہم اور محترم نماز ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ اس کی افادیت اور اہمیت سے بھری ہیں، متعدد مقامات پر اس کی تاکید اور اس کے تارکین پر وعید فرمائی گئی ہے۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے احکام اپنے حبیب احمد مجتبیٰ ﷺ کو زمین پر بھیجے اور جب نماز کا تحفہ دینا مقصود ہوا تو اپنے نبی کو عرشِ اعظم پر اپنے پاس بلایا اور پھر نماز کو فرض کیا۔ وہ آیتیں جن میں تاکید فرمائی گئی بہت ہیں، چند یہ ہیں:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ (۱)

یہ کتاب پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم رکھتے اور ہم نے جو دیا اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ۝ (۲)

نماز قائم کرو اور زکات دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

(مرتب غفرلہٗ)

(۱) القرآن الحکیم، الآیۃ: ۲،۳، البقرہ: ۲، پ: ۱.

(۲) القرآن الحکیم، الآیۃ: ۴۳، البقرہ: ۲، پ: ۱.

سوال نمبر (۲۶)- اگر امام صاحب مسجد کی پہلی منزل میں امامت کر رہے ہیں، تو جو لوگ نچلی منزل میں ان کی اقتدا کر رہے ہیں ان کی نماز ہو جائے گی کہ نہیں؟

جواب: اگر امام اوپر کی منزل میں امامت کر رہا ہے اور کچھ لوگ نیچے کی منزل میں اس کی اقتدا کر رہے ہیں تو اقتدا صحیح ہے، ہاں جب اوپر کی منزل بھر جائے تب لوگ نیچے کی منزل میں اقتدا کریں تاکہ صفوں کا تسلسل باقی رہے، ہاں بلا عذرِ شرعی مسجد کی چھت پر نہیں جانا چاہیے۔

عذرِ شرعی کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً نچلی منزل میں مرمت و صفائی ہو رہی ہے اس لیے امام نچلی منزل چھوڑ کر اوپر کی منزل پر امامت کر رہا ہے تو حرج نہیں۔ لیکن ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے صرف ہوا خوری وغیرہ کی راحت کے لیے اوپر جاکر امامت کر رہا ہے، تو یہ مکروہ ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۲۷)- کچھ لوگ مسجد میں گنجائش کے باوجود چھت پر چلے جاتے ہیں اور کچھ تو چھت پر امام کے آگے صف بنالیتے ہیں تو کیا ان لوگوں کی نماز صحیح ہوگی اور ان کی اقتدا درست ہوگی؟

جواب: جو لوگ مسجد میں نیچے گنجائش کے باوجود چھت پر چلے جاتے ہیں ان کی نماز ہو جائے گی اس لیے کہ مسجد مکانِ واحد کی حیثیت رکھتی ہے۔ "مکان واحد" کا مطلب یہ ہے "ایک جگہ"۔ صف مسجد میں ہو پھر وہ خواہ امام سے کتنی ہی دوری پر ہو حکماً امام سے متصل مانی جائے گی، یعنی اس صف والوں کی جگہ اور امام کی جگہ حکماً ایک ہے۔ کہ مثلاً امام محراب کے پاس کھڑا ہو اور مقتدی مسجد کے ہی اندر بہت پیچھے کھڑا ہو تو اس کی نماز ہو جاتی ہے اگرچہ بیچ میں ۸،۱۰ گاڑیاں ایک ساتھ (Cross) کراس کرنے کی گنجائش ہو تب بھی اس میں حرج نہیں۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ، ولهذا اذا اشتد الحر يكره ان يصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة. (ج:٦، ص: ٣٢٢)

لیکن میدان میں اگر امام کے پیچھے مقتدی اتنی دوری پر ہے کہ درمیان سے ایک گاڑی بھی گزر سکے تو مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی، کیوں کہ میدان میں ایک گاڑی کی مقدار جگہ چھوڑنے کے بعد اسے دوسرا مکان مان لیا جاتا ہے، پھر ایک گاڑی کی جگہ چھوڑنے کے بعد تیسرا مکان مان لیا جاتا ہے۔

اس کے برخلاف مسجد کی اگر مکمل لمبائی، چوڑائی مثلاً سو سو ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو تو بھی وہ سب مکان واحد ہے، دو مکان نہیں لہٰذا اگر ایسی صورت پائی جاتی ہے کہ ۵،۴ صفیں نیچے لگیں اور گنجائش رہتے ہوئے ۲،۴ صفیں اوپر لگ گئیں تو نماز صحیح ہو جائے گی، مگر وہ نماز مکروہ ہوگی کہ بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور بلا وجہ امام سے دوری ایک الگ ناپسندیدہ امر ہے۔ مکروہ کا مطلب ہے وہ عمل جو اللہ کو ناپسند ہے، ناگوار ہے تو آدمی نماز پڑھے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ کو ناگوار و ناپسند ہو تو اس سے کیا فائدہ؟ نماز ہو جانا الگ چیز ہے مگر اللہ کی ناگواری کے ساتھ وہ نماز ہوگی لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

اور جو لوگ چھت پر امام سے آگے صف بنالیتے ہیں ان کی نماز نہ ہوگی کہ مقتدی پر امام کے پیچھے رہنا ضروری ہے اور امام کا بالاجماع سب سے آگے رہنا ضروری ہے۔ لفظ "امام" خود "آگے ہونے" کی خبر دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۲۸)- مسجد میں نماز کے وقت کئی صفوں میں، یا ایک صف کے درمیان میں کوئی نابالغ بچہ نماز پڑھے، تو کیا نماز میں خلل واقع ہوگا؟

جواب: اس صورت میں نماز میں خلل واقع ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ جب بچہ سات سال یا اس سے زیادہ کا ہو اور اتنا سمجھ دار ہو کہ مسجد اور نماز کے احترام کو جانتا ہو اور وہ بلا عذر شور شرابا نہ کرے، تو اس کو مسجد میں لے جا سکتے ہیں، وہ اگر صف میں کہیں بھی کھڑا ہو گیا تو نماز میں کوئی فرق نہ پڑے گا اگر بیچ صف میں بھی آجائے تو اس کی وجہ سے صف نہیں کٹے گی۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ بچوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہو۔

اور اگر بچہ ابھی ناسمجھ و بے شعور ہے تو وہ صف میں جہاں کہیں بھی کھڑا ہوگا صف کٹ جائے گی اور صف کے کٹنے کا گناہ ہوگا کہ جانتے ہوئے بھی استطاعت کے باوجود آپ نے صف

کافی۔ حدیث پاک کا مفاد ہے کہ صف کا جوڑنا واجب ہے اور کاٹنا حرام وگناہ۔

کلماتِ حدیث یہ ہیں:

عن ابن عمر، قال: قال رسول ﷺ: اَقِیموا الصفوف، وحاذوا بین المناکب، وسدو الخلل، ولینوا بایدی اخوانکم، ولا تذروا فرجات الشیطان. ومن وصل صفاً وصله الله ومن قطعه قطعه الله. (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: صفیں درست کرو، اور اپنے کندھے سب ایک سیدھ میں رکھو، اور صف کے رخنے بند کرو، اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ، اور صف میں شیطان کے لیے خالی جگہیں نہ چھوڑو، اور جو صف کو جوڑے اسے اللہ جوڑے اور جو صف کو کاٹے اسے اللہ کاٹے، اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں تخریج کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۲۹)- اگر کوئی "شافعی" "حنفی امام" کے پیچھے نماز پڑھے یا "حنفی" "شافعی" امام کی اقتدا کرے تو کیا یہ درست ہے؟ شافعی حضرات فجر میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں تو حنفی شافعی امام کی اقتدا میں کیسے نماز ادا کرے گا؟

جواب: شافعی امام کے پیچھے حنفی نماز پڑھ سکتا ہے، اور حنفی امام کے پیچھے شافعی نماز پڑھ سکتا ہے۔ جہاں اس طرح کے لوگ رہتے ہیں کہ حنفی و شافعی امام و مقتدی ہوتے ہوں تو امام کو چاہیے کہ وہ دونوں مذہب کے فرائض کی رعایت کرے بلکہ واجبات کی بھی رعایت کرے اور دونوں مذہب کے احکام کی پابندی اس طور پر کرے کہ اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ (۲)

اسی کو فقہا کی اصطلاح میں "رعایتِ خلاف" کہتے ہیں جو بالاجماع مندوب و مستحب

(۱) مشکاۃ المصابیح، باب تسویۃ الصفوف، ص:۹۹.

(۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: والاقتداء بشافعی المذهب انما يصح اذا كان الامام يتحامى مواضع الخلاف." (ج:۱، ص:۸۴، دارالفکر، بیروت)

ہے، اور کوئی ایسا کام ہرگز نہ کرے جس کی وجہ سے دوسرے مذہب کی نماز فاسد ہوتی ہو، مثلاً حنفی امام نماز پڑھا رہا ہے اور اس کے پیچھے شافعی لوگ اقتدا کر رہے ہیں تو اس کو مَسِّ ذکر نہیں کرنا چاہیے یعنی اپنے آلہ تناسل کو نہیں چھونا چاہیے کیوں کہ شافعیوں کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر شافعی امام ہے تو اس کو چاہیے کہ پورے سر کا مسح کرے یا کم سے کم سر کے چوتھائی حصے کا مسح ضرور کرے، صرف ایک، دو بال کو نہ چھوئے کیوں کہ حنفیوں کے نزدیک صرف ایک، دو بال چھونے سے مسح نہ ہوگا کیوں کہ ان کے مذہب میں سر کے چوتھائی حصے کا مسح کرنا فرض ہے۔ تو اگر اس نے اس بات کا لحاظ نہ رکھا تو حنفی کی نماز ہرگز اس کے پیچھے نہ ہوگی، لہٰذا شافعی اور حنفی امام کو دونوں مذہبوں کی رعایت کرنی چاہیے۔

رہ گیا مسئلہ فجر کی نماز میں دعاے قنوت کا، تو جتنی دیر شافعی امام دعائے قنوت پڑھے حنفی مقتدی اتنی دیر خاموش رہے، کچھ نہ پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۰)- کئی صفیں لگ گئیں اور کسی صف میں ایک آدمی کی جگہ باقی رہ گئی ہو اور اس کو چھوڑ کر پیچھے صفیں لگالی جائیں تو اگلی صف کے لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: نماز تو ہو جائے گی، مگر جن لوگوں نے جانتے ہوئے صف کی وہ جگہ خالی رکھی ہے وہ سب گنہگار ہوں گے کہ حدیث شریف میں ہے:

من وصل صفاً وصله الله ومن قَطَعَهُ قطعه الله. (۱)

ترجمہ: جو صف کو جوڑے اسے اللہ جوڑے اور جو صف کو کاٹے اسے اللہ کاٹے۔

اس بارے میں حکم شرع یہ ہے کہ پیچھے سے آنے والے کو معلوم ہو کہ آگے کی صف میں جگہ خالی ہے تو اس پر لازم ہے کہ صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکل جائے اور صف کی اس خالی جگہ کو پُر کرے۔ یہ ہماری ڈسپلن ہے، ہمارا نظم و نسق ہے۔ اسلام میں جس نظم و نسق کی تعلیم دی گئی ہے اس کا ادنیٰ نمونہ یہ بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۱)- ایک شخص ناپاک ہے غسل کرے گا تو وقت جاتا رہے گا تو ایسی حالت میں وہ کیا کرے؟

(۱) سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تسویۃ الصفوف، ص:۹۷.

جواب: وہ تیمم کرکے فوراً نماز پڑھے اور پھر غسل کرنے کے بعد اس نماز کو دہرا لے۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۲)۔ نماز میں بغیر بٹن لگائے اور آستین درست کئے نماز صحیح ہوگی؟ جب کہ جماعت چھوٹنے کا خطرہ ہو؟

جواب: نماز تو صحیح ہوگی مگر مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوگی اس لیے بغیر بٹن لگائے اور آستین درست کیے نماز کی نیت نہ کرے اگرچہ جماعت کے چھوٹ جانے کا ڈر ہو۔ پہلے آپ سنت کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرلیں اور آستین وغیرہ سیدھی کرلیں، پھر نماز شروع کریں۔ اگر موقع مل جائے تو جماعت سے پڑھ لیں اور اگر جماعت نہ ملے تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں کہ آپ سے تاخیر ہوئی، بھول ہوئی آئندہ ایسا نہ کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۳)۔ امام جماعت کی نماز میں قراءت کررہا ہو تو مقتدی پیچھے قرآن شریف دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ لوگ حرم شریف کی جماعت (ٹی وی) پر دیکھتے ہیں۔ نیز تراویح میں امام قراءت کررہا ہو اور مقتدی ہاتھ میں قرآن لیے دیکھ رہے ہوں تو اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب: یہ طریقہ غلط ہے اور یہ وہابیوں کا طریقہ ہے جو انھوں نے وہاں پر نکالا ہے۔ قرآن پاک کا صاف صاف حکم ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱)

جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو بغور سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے معلوم ہوا جو امام کے پیچھے قرآن لے کر پڑھتے ہیں یا دیکھتے ہیں، وہ غور سے نہیں سنتے بلکہ آدھا سنتے ہیں اور آدھا باہر جاتا ہے بلکہ یہ سننا ہی نہیں ہے۔ سننا تو وہ ہوگا کہ کان لگا کر اپنے قصد و اختیار سے سنا جائے اور وہ جب قرآن دیکھ رہے ہیں تو کان میں آواز تو آرہی ہے مگر یہ سن نہیں رہے ہیں۔ کان میں آواز کا آنا الگ چیز ہے اور کان لگا کر غور سے سننا یہ الگ چیز ہے قرآن پاک

(۱) القرآن الکریم، الآیۃ: ۲۰۴، الاعراف: ۵، پ: ۹.

کا ارشاد ہے: فَاسْتَمِعُوْا غور سے سنو، معلوم ہوا کہ غور سے سننا فرض ہے تو وہ لوگ فرض کو کھلے طور پر چھوڑ رہے ہیں اور اس فرض کے چھوڑنے کا ٹی وی، پر اشتہار کر رہے ہیں اس کی وجہ سے بھی وہ گنہگار ہو رہے ہیں۔ آپ لوگ ہرگز ہرگز ایسی بدعت کا ارتکاب نہ کریں اور ناجائز کام کی طرف توجہ نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۴)۔ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو مسجد سے متصل کمرے میں رہتا ہے، پیر بھی کہلاتا ہے، مگر وہ بغیر کسی شرعی مجبوری کے جماعت سے نماز نہیں پڑھتا، اس کے مرید کہتے ہیں کہ ہمارے حضرت پر ذکر کی کیفیت طاری رہتی ہے اس لیے نماز میں شامل نہیں ہوتے تاکہ دوسرے کی نماز خراب نہ ہو۔ جب کہ باقی اوقات میں وہ باتیں کرتا رہتا ہے؟

جواب: یہ شیطانی وسوسہ اور نماز نہ پڑھنے کے لیے جھوٹا حیلہ و بہانہ ہے۔ کیا سرکار ﷺ سے بڑھ کر یا کبارِ صوفیا سے بڑھ کر وہ شخص ہے کہ ذکر کی کیفیت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ جماعت کا ہوش بھی نہیں رہ جاتا یا اس کے باعث اس سے جماعت معاف ہو جاتی ہے۔ نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیت طاری ہونی چاہیے مگر اس لیے تاکہ بندہ اپنے رب کے ذکر میں اور اس کی یاد میں مستغرق رہے، اس لیے نہیں کہ دوسروں کو پریشان کرے۔ نماز فرض ہے اور مسجد میں جاکر جماعت میں شامل ہونا واجب ہے یعنی جماعت بھی واجب اور جماعت کے لیے مسجد جانا بھی واجب۔ تو یہاں دو، دو واجب ہوئے۔ لہٰذا اس پر فرض ہے کہ وقت سے نماز ادا کرے۔ نیز اس پر واجب ہے کہ جماعت سے نماز پڑھے اور یہ جھوٹے حیلے بہانے چھوڑ دے۔ ایک سے ایک صاحبِ کشف اولیا گزرے ہیں۔ ان پر کبھی بھی ایسی حالت طاری نہیں ہوئی کہ نماز میں وہ دوسرے کو پریشان کریں۔ حضور ﷺ سے بڑھ کر کون ذاکر ہوگا کہ ہر وقت، ہر لمحہ ذکر الٰہی میں گزرتا تھا اور خود آپ پانچوں وقت باجماعت نماز ادا فرماتے تھے بلکہ حکم دیتے تھے:

صلّوا کما رایتمونی اُصلی.(۱)

تم نماز پڑھو جیسا تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

اس لیے پیرِ مذکور کا وہ حیلہ جھوٹا ہے اور شیطانی وسوسہ ہے۔ اس سے وہ باز آئے اگر وہ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر، ج: ۱، ص: ۸۷.

باز نہیں آتا ہے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ایسے پیر سے بیعت توڑ دیں اور اس سے جدا ہو جائیں جب مسلمان اس سے اپنا تعلق ختم کرلیں گے اور بیعت توڑدیں گے تو اس کو خود بخود اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا اور جو حیلہ و بہانہ وہ پیش کررہا ہے امید ہے کہ اس سے باز آجائے گا اور اللہ کے فرائض ادا کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۵)۔ رفع یدین سنت ہے یا نہیں، اگر سنت ہے تو حنفی مذہب میں سنت کے خلاف کیوں کیا جاتا ہے؟ اور اگر سنت نہیں ہے تو حدیث شریف کی کتابوں صحاح ستہ سے ثابت کریں۔ اور صحاح ستہ میں بھی رفع یدین کے بارے میں بہت ساری حدیثیں ہیں تو ان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: حضور سید عالم ﷺ سے جتنا رفع یدین ثابت ہے اتنا حنفی مذہب میں بھی ثابت ہے اور ہمارا اسی پر عمل ہے۔ رفع یدین کا مطلب ہوتا ہے "دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا" ہمارا یہ طریقہ ہے کہ جب تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ باندھنا ہوتا ہے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

ایک ہاتھ کو "ید" اور دونوں ہاتھوں کو "یدین" کہا جاتا ہے اور "رفع" کے معنی ہیں اٹھانا، تو دونوں ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھانا ہی تو "رفع یدین" ہے جس پر ہمارا بھی عمل ہے جیسا کہ اس پر ساری امت کا عمل ہے۔

بہت سے کام ایسے ہیں جو شروع اسلام میں ہوتے تھے اور بعد میں مدنی آقا ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا تو جو برقرار رہا اسی پر عمل کیا جاتا ہے اور جو پہلے کیا جاتا تھا اس پر عمل نہیں کیا جاتا ہے پہلے رفع یدین رکوع میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت بھی کیا جاتا تھا، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا یہی وجہ ہے کہ سرکار ﷺ نے کچھ صحابہ کو "رفعِ یدین" کرتے دیکھا تو ناراضگی کے لہجے میں انھیں رفعِ یدین ترک کرکے سکون کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔
چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے:

(۱)- عن جابر بن سمرة قال: خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال: مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس، اسکنوا فی

الصلوٰۃ.[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ اپنے ہاتھوں کو ایسے اٹھا رہے ہو (رفع یدین کررہے ہو) جیسے وہ چنچل گھوڑوں کی دم ہوں۔ (یعنی جیسے چنچل گھوڑا اپنی دم ہلاتا ہے اسی طرح تم لوگ اپنے ہاتھوں کو ہلا رہے ہو۔) سکون کے ساتھ نماز پڑھو۔

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے "رفع یدین" کے مقابل "سکون کے ساتھ نماز پڑھنے" کا حکم صادر فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین چھوڑ دو، اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو کہ "سکون" رفع یدین کے ترک میں ہے۔

(۲)- عن علقمة قال: قال ابن مسعود رضی اللہ عنه الا اصلی لکم صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ قال: فصلی فلم یرفع یدیه الا مرۃ.[2]

ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر آپ نے نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں کو صرف ایک بار (تکبیر تحریمہ کے وقت) اٹھایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں رفع یدین صرف ایک بار ہے اور اس پر ساری دنیا کے مسلمانوں کا عمل بھی ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مسلمان ضرور اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں یا کندھوں تک اٹھاتے ہیں۔

(۳)- عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن: حین یفتتح الصلوٰۃ وحین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت [وحین یقوم علی الصفا] وحین یقوم مع المروۃ حین یقف من الناس عشیة عرفة وبجمع والمقامین حین

(۱) صحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامر بالسکون فی الصلاۃ، ج:۱، ص:۱۸۱، ص:۱۸۱، مجلس البرکات.
(۲) مسند احمد ج:۱، ص:۳۸۸،۴۴۲.

يرمى الجمرة.(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاتھ صرف سات جگہ اٹھائے جائیں (۱) نماز شروع کرتے وقت (۲) جس وقت مسجد حرام میں داخل ہو اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑے (۳) جس وقت کوہ صفا پر کھڑا ہو (۴) جس وقت کوہ مروہ پر کھڑا ہو (۵) اور جب لوگ عرفات میں شام کے وقت وقوف کریں (۶) اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت (۷) اور جمرات میں کنکری مارتے وقت دو جگہ۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور اس کے بعد ہاتھ اٹھانا متروک و منسوخ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس پر عمل نہ کیا جائے اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھایا جائے جو سنت ثابتہ ہے اسی پر ہم سنی حنفیوں کا عمل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۶)- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھنا، قصداً ان کے عالم سے نکاح پڑھوانا، ان کے مدرسے میں چندہ دینا، یا قربانی کا گوشت دینا، لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جتنی باتیں سوال میں ہیں سب ناجائز ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دیوبندیوں کا مذہب الگ ہے اور ہمارا مذہب الگ، ان کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز و گناہ ہے اور ان سے نکاح پڑھوانا ناجائز و گناہ ہے اور ان کو قربانی کا گوشت دینا ناجائز و گناہ ہے اور ان سے قربانی کا گوشت لینا اور استعمال میں لانا بھی ناجائز و گناہ ہے کیونکہ جو قربانی کرتے ہیں وہ ہمارے لیے حلال نہیں، بلکہ وہ ہمارے لیے مردار ہے۔ تو نہ دینا جائز اور نہ لینا جائز ان کا مذہب الگ، اپنا مذہب الگ۔ آپ ان سے دور رہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

قال رسول الله ﷺ اياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم وان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم وان لقيتموهم فلا

(۱) المعجم الكبير للطبراني، ج:۱۱، ص:۳۸۵، قاهره.

تسلموا عليهم ولا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواكلوهم ولا تناكحوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم.(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ تم ان کے پاس جاؤ اور نہ انھیں اپنے پاس آنے دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کر دیں اور تم کو فتنے میں ڈال دیں۔ اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے کے پاس تم حاضر نہ ہو، اور اگر تم کو کہیں مل جائیں تو ان کو سلام نہ کرو، اور نہ تم ان کے پاس بیٹھو، اور نہ تم انھیں کھلاؤ، پلاؤ اور نہ تم ان سے نکاح کرو، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو، اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ لہٰذا آپ حضرات ان سے الگ تھلگ رہیں۔

سوال نمبر (۳۷)- ایک شخص نے قضائے عمری نمازیں جتنی اس کے ذمہ تھیں اس سے زائد پڑھ لیں تو کیا اس نے غلط کیا؟

جواب: نہیں، غلط نہیں کیا بلکہ اچھا کیا، اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقینی طور پر بری الذمہ ہو جائے گا ہاں اگر سب قضا نمازیں ادا ہو گئیں اس کے بعد بھی وہ احتیاطاً ادا کر رہا ہے تو فرض اعتقاد کر کے ادا نہ کرے بلکہ یوں نیت کرے کہ میرے ذمہ آخری فرض فجر، ظہر، عصر، مغرب یا عشا نماز بھول چوک سے رہ گئی تو میں نے اس فرض نماز کی ادائگی کی نیت کی۔ اس نیت سے وہ نماز پڑھے تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ جو چیز فرض نہیں ہے اس کو یہ فرض اعتقاد کرے کیوں کہ غیر فرض کو فرض تسلیم کرنا ناجائز ہے لہٰذا یہ احتیاطی نیت کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۸)- بعض پیر حضرات اپنے مریدوں کو نماز کے متعلق یہ بتاتے ہیں کہ طریقت کی نماز الگ ہے تو کیا واقعی ایسا ہے؟

جواب: ان کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ طریقت کی نماز الگ ہوتی ہے اگرچہ اس کلام کی توجیہ ہو سکتی ہے مگر آپ پر یہ بات واضح رہے کہ طریقت، شریعت سے جدا کوئی چیز نہیں۔ بلکہ جو شریعت ہے وہی طریقت ہے، تو شریعت کی نماز الگ اور طریقت کی نماز الگ کیسے

(۱) مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص:۲۸، مجلس البركات.

ہو سکتی ہے؟ جیسے جیسے آدمی شریعت پر عمل کرتا ہے اس کے اندر کمال پیدا ہوتا جاتا ہے اسی کمال کا نام طریقت ہے، آج آپ جو نماز پڑھ رہے ہیں یہ شریعت کے مطابق ہے اب اگر نماز اس قدر خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے لگیں کہ محسوس ہو کہ میرا خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے اور دل ادھر ادھر بھٹکنے نہ پائے تو یہ سمجھ لیں کہ یہ طریقت کی ابتدا ہے اور اگر یہ محسوس ہو کہ گویا آپ خدا کو دیکھ رہے ہوں تو آپ کی نماز اور کامل ہو گئی اور یہی طریقت والی نماز ہو گئی۔ لہٰذا طریقت کی نماز وہی ہے جو شریعت کی نماز ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی نماز بہت کامل ہوتی ہے بہ نسبت عام انسانوں کے کہ ان کی نماز میں اس قدر کمال نہیں ہوتا۔

اس کو ایک دوسری مثال سے یوں سمجھیں کہ آپ نے ایک چراغ جلایا، چراغ بہت ہلکا جل رہا تھا۔ روشنی اس کی ہلکی تھی، آپ نے بتی ذرا تیز کی، روشنی اور بڑھی، پھر اور تیز کی اب روشنی خوب تیز ہو گئی۔ اب آپ کہیں کہ چراغ کی روشنی الگ ہے اور یہ روشنی الگ ہے تو ایسا نہیں ہے کیونکہ اگر آپ اس کو پھونک ماریں گے تو ایسا نہیں ہے کہ یہ چراغ والی روشنی ختم ہو جائے گی اور وہ تیز روشنی باقی رہ جائے گی۔ بلکہ پوری روشنی ہی ختم ہو جائے گی اس لیے کہ اگر چراغ کی روشنی نہیں ہوتی تو "روشنی میں کمال" کہاں سے آتا۔ بتی بڑھانے سے جس روشنی میں کمال پیدا ہو رہا ہے، وہ وہی روشنی ہے جو چراغ سے نکلی ہوئی ہے اگر وہ روشنی نہ ہوتی تو بتی بڑھانے سے کبھی بھی کمال پیدا نہیں ہوتا۔ شریعت کی مثال "بتی" کی مثال ہے کہ شریعت پر عمل بڑھتا گیا تو اس میں کمال آتا گیا اور یہی کمال طریقت ہے لیکن اس منزل پر پہنچ کر کوئی شریعت کا دامن چھوڑ دے کہ اب تو وہ کامل ہو گیا اور یہ سوچے کہ شریعت الگ ہے اور طریقت الگ، تو پھر وہ جہل کے گہرے اندھیروں میں ہو گا اور شریعت کے نور سے محروم ہو چکا ہو گا۔ الغرض اگر پیر صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ طریقت شریعت سے الگ ہے تو جھوٹ ہے، غلط ہے۔ اور اگر میں نے جو وضاحت کی وہ مراد ہے تو صحیح ہے مگر لوگوں کے سامنے ایسی بات نہ بیان کی جائے جس سے انھیں وحشت ہو اور کچھ کا کچھ سمجھ جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۹)- داڑھی منڈے کی نماز ہوتی ہے یا نہیں، اس کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: میرے بھائی! نماز ہو یا نہ ہو پہلے آپ کو یہ سوال کرنا چاہیے تھا کہ داڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ تو سب سے پہلے اسے جانیے کہ داڑھی منڈانا حرام و گناہ ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے ہمیشہ داڑھی رکھی اور کبھی کٹا کر ایک مشت سے کم نہ کرائی، داڑھی بڑھانا انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا بھی طریقۂ حسنہ رہا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خالفوا المشركين، أفروا اللحى واحفوا الشوارب.(1)

مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لٰکِن رَبِّی اَمَرَنِی اَنْ اُحْفِیَ شَارِبِی وَاُعْفِیَ لِحْیَتِی.(2)

(۱) صحيح البخاری، باب تقليم الاظفار، ص:۸۷۵.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱۲۸، بحوالہ طبقات ابن سعد۔

اس حدیث کا واقعہ بڑا عبرت آموز ہے جسے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الفاظ میں اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

ابن سعد طبقات میں عبد اللہ بن عبد اللہ سے مرسلاً راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لکن ربی امرنی ان احفی شاربی واعفی لحیتی مگر مجھے میرے رب نے حکم فرمایا کہ اپنی مونچھیں پست کروں اور داڑھی بڑھاؤں۔

اس حدیث کا واقعہ وہ ہے جو کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس ﷺ وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے کہ جب حضور پر نور سید یوم النشور ﷺ نے ہدایت اسلام کے فرامین بنام سلاطینِ جہاں نافذ فرمائے قیصر روم نے تصدیق نبوت کی مگر بجہت دنیا اسلام نہ لایا، مقوقس بادشاہ مصر نے شقہ والا کی کمالِ تعظیم کی اور ہدایا حاضر بارگاہ رسالت کیے، سگ ایران خسرو پرویز قتلہ اللہ نے فرمان اقدس کو چاک کر دیا اور باذان حاکم صوبہ یمن کو لکھا کہ دو مضبوط آدمی بھیج کر انھیں یہاں بلائے باذان نے اپنے داروغہ بابویہ اور ایک پارسی خرخسرہ نامی کو مدینہ طیبہ روانہ کیا۔

انهما حين دخلا على رسول الله ﷺ كانا قد حلقا لحاهما وأعفيا شواربهما فكره النظر اليهما وقال: ويلكما من امر كما بهذا، قالا: ربنا، يعنيان كسرى فقال رسول الله ﷺ: لكن ربي امرني باعفاء لحيتي وقص شواربي.

مجھے میرے رب نے حکم فرمایا کہ اپنی مونچھیں پست کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ تو داڑھی منڈانا انبیاے کرام بالخصوص حضور سید الانبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے اسوہ اور آپ کے فرمودات کی مخالفت و نافرمانی ہے اور حرام کام کے اظہار و اشتمال کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ تحریمی ہوا کرتی ہے اس لیے ایسا آدمی اگر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اس نماز کو دہرانا ضروری ہوگا۔

شامی میں ہے:

کل صلاۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ (۱)

ہر نماز جو مکروہ تحریمی ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔

اور اس آدمی کو امام بنانا ناجائز ہوگا۔ لہٰذا ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور اس کو امام نہ بنایا جائے۔

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

یہ دونوں جب بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے داڑھیاں منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے تھے، سید عالم ﷺ کو ان کی طرف نظر فرماتے کراہت آئی اور فرمایا خرابی ہو تمھارے لیے کس نے تمھیں اس کا حکم دیا، وہ بولے ہمارے رب یعنی خسرو پرویز خبیث نے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مگر مجھے تو میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں تراشنے کا حکم فرمایا ہے۔

مسلمان اس حدیث کو یاد رکھیں کہ بابویہ و خرخسرو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے، نہ احکام اسلام سے آگاہ تھے، ان کی یہ وضع دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے ان کی صورت دیکھنے سے کراہت کی۔ تو جو مسلمان احکام حضور جان بوجھ کر مصطفیٰ ﷺ کے خلاف مجوسیوں کے موافق ایسی گندی صورت بنائے وہ کس قدر حضور اعلیٰ ﷺ کی کراہیت و بے زاری کا باعث ہوگا۔ آدمی جس حال پر مرتا ہے اسی حال پر اٹھتا ہے اگر روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ نے یہ مجوس کی صورت دیکھ کر نگاہ فرمانے سے کراہیت فرمائی تو یقین جان کہ تیرا ٹھکانہ کہیں نہ رہا۔ مسلمان کی پناہ، امان، نجات، رستگاری جو کچھ ہے ان کی نظر رحمت میں ہے، اللہ کی پناہ اس بری گھڑی سے کہ وہ نظر فرماتے کراہیت لائیں۔ والعیاذ باللہ ارحم الراحمین. اس کے بعد حدیث میں معجزہ مصطفیٰ ﷺ کا ظہور، خسرو پرویز مردود کا ہلاک ہونا، بازان و بابویہ و خرخسرو وغیرہم بہت اہلِ یمن کا مشرف باسلام ہونا مذکور ہے ﷺ۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱۴۸)

(۱) کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ج: ۲، ص: ۲۹۷.

غنیہ میں ہے:

ولو قدّموا فاسقاً یأثمون بناءً علی ان کراھۃ تقدمہ کراھۃ تحریم اھ.

اگر لوگوں نے فاسق کو امامت کے لیے آگے بڑھادیا تو وہ گنہگار ہوں گے کیوں کہ اسے آگے بڑھانا مکروہِ تحریمی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ خود داڑھی منڈے کی اپنی نماز کا کیا حال ہے؟ تو عرض ہے کہ ایک دلیل کے پیش نظر اس کی اپنی نماز صحیح ہے اور آج کے دور میں آسانی کے لیے یہ بندۂ عاجز اسی کو اختیار کرتا ہے ورنہ خطرہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے بجائے نماز ہی نہ چھوڑ بیٹھے، ہاں اس کی اصلاح کی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۰)- کیا مسبوق مکبر بن سکتا ہے؟

جواب: مسبوق (۱) مکبر بن سکتا ہے لیکن اس کو بچنا چاہیے اور ایسے شخص کو مکبر بنانا چاہیے جو شروع نماز سے امام کے ساتھ رہے۔ ہر آدمی کو مکبر بننا بھی نہیں چاہیے، بلکہ اس کو بنانا چاہیے جس کو نماز کے مسائل ٹھیک سے یاد ہوں۔ کیوں کہ جو لوگ اَن پڑھ ہوتے ہیں اور جنھیں مسائل معلوم نہیں ہوتے وہ جب تکبیر کہتے ہیں تو کچھ صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لیے جن لوگوں کو یہ ذمہ داری سونپی جائے وہی تکبیر کہیں اور جو شروع ہی سے شاملِ نماز ہو وہ کہے۔ یہ تکبیر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت کریمہ ہے اور وہ بڑے زبردست عالم و فقیہ، بلکہ انبیاے کرام کے بعد مسلمانوں میں سب سے زیادہ علم و فضل والے تھے اور جس نماز میں انھوں نے تکبیر کہی، اس میں شروع سے ہی شریکِ نماز تھے۔ تو جو شخص آپ کا نائب ہو یعنی صاحبِ علم و فضل ہو وہ اس لائق ہے کہ مکبر بنے، اس لیے مسائل نماز سے واقف علما، حفاظ، قراء اس منصب کے زیادہ حق دار ہیں اور ان ہی کو یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۱)- زید کہتا ہے کہ فجر کی نماز میں جماعت کے وقت قراءت سننا واجب ہے جب کہ کچھ لوگ اس وقت فجر کی سنت ادا کرتے ہیں تو یہ کہاں تک درست ہے؟

---

(۱) مسبوق وہ مقتدی ہے جس کی شروع کی ایک رکعت، یا ایک سے زائد رکعتیں چھوٹ گئی ہوں۔

جواب: ہر جہری نماز میں جب امام بلند آواز سے قراءت کر رہا ہو تو اس کو جو سن رہا ہو، غور سے سنناواجب ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اور جو لوگ دور ہوں سن نہ پا رہے ہوں اور امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے ہوں، ان پر خاموش رہنا فرض ہے حدیث پاک میں خاص سنت فجر کے تعلق سے بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي ﷺ، قال: ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها.[1]

اس لیے ہمارے علما فرماتے ہیں کہ اگر جماعت فجر قائم ہوگئی اور کوئی تاخیر سے پہنچا اور ابھی اس نے سنت فجر ادا نہیں کی ہے تو جماعت سے دور کہیں مسجد کے کنارے کونے میں کھڑا ہو کر سنت فجر ادا کرے اور اس کے بعد آکر جماعت میں شامل ہو جائے۔ "جماعت سے دور مسجد کے کنارے" پڑھنے کی تاکید اسی لیے ہے تاکہ جماعت کی مخالفت اور استماعِ قراءت کے ترک سے بچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۲)- ہاف شرٹ پہن کر نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: نماز تو ہو جاتی ہے مگر ہاف ہونے کی وجہ سے مکروہِ تنزیہی ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاف شرٹ میں نماز تو ہو جائے گی مگر فل آستین کی شرٹ پہن کر نماز پڑھنا اولیٰ و اچھا ہے۔ مگر جس کے پاس ہاف شرٹ ہی ہے تو وہ نماز نہ چھوڑے، اسی کو پہن کر نماز پڑھے کہ نماز چھوڑ دینا حرام و گناہِ کبیرہ ہے جس سے بچنا فرض ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں پینٹ، شرٹ کے متعلق ہمارے بزرگ علما نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اسے پہن کے نماز پڑھنا گناہ اور مکروہ تحریمی ہے اور اسے پہن کر جو نماز پڑھی جائے گی اسے دہرانا لازم ہوگا۔[2] اس کی وجہ یہ تھی کہ:

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، ج:۱، ص:۲۵۱.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۳، باب مكروهات الصلوة، ص:۴۲۲، رضا اکیڈمی.

اس زمانہ میں یہ لباس صرف انگریز قوم کا لباس تھا اور دوسری کسی قوم کے لوگ یہ لباس نہیں پہنتے تھے۔ وہ انگریزوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اس وجہ سے حکم تھا کہ ناجائز ہے۔ بعد میں دوسری قوموں نے اس لباس کو اپنا لیا اور مسلمانوں نے بھی اس لباس کو اپنا لیا، تو اب یہ لباس کسی قوم کی اور خاص طور سے انگریزوں کی پہچان نہیں رہ گیا اور شریعت کا حکم زمانے کے بدلنے کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے یہ مسئلہ بھی اسی قسم کا ہے لہٰذا اب یہ لباس پہننا مباح ہے اور اس کو پہن کر نماز پڑھی جائے گی تو ہو جائے گی۔

لیکن اگر کوئی آدمی کرتا پہن کر۔ جو ہمارے عالموں، حافظوں، قاریوں کا لباس ہے۔ نماز پڑھے تو کیا پوچھنا، یہ سب سے اچھی بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۳)- شرٹ میں جو کالر لگا ہوتا ہے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، اس کو پہن کر نماز پڑھیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: کالر کی وجہ سے نماز پر کوئی اثر نہیں۔ کیوں کہ شرٹ اور قمیص میں کالر عادت کے مطابق ہوتی ہے اور اس کو پہن کر بڑے لوگوں کے دربار میں جانا بے ادبی نہیں سمجھا جاتا۔ اور اصل یہ ہے کہ جس طریقے کا لباس پہن کر بڑوں، حاکموں اور افسروں کے دربار میں جانا صحیح ہو اور بے ادبی تصور نہ کیا جاتا ہو اس طرح کے لباس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہو سکتی ہے، لہٰذا کالردار کرتا، قمیص، یا شرٹ پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ پوری آستین ہو، لیکن اگر پوری آستین نہیں ہے تو بھی نماز ہو جائے گی۔ ہاں خلافِ اولیٰ ہوگی۔

"کالر" اپنی وضع کے لحاظ سے موڑی ہوئی ہوتی ہے جو "کف ثوب" ہے یعنی کپڑے کو موڑنا۔ مگر کف ثوب وہ مکروہ تحریمی ہے جو عادتِ ناس کے خلاف ہو، اور اس طور پر موڑ کر حاکموں کے دربار میں جانا بے ادبی سمجھا جاتا ہو، اور یہ کف ثوب جو کالر میں ہوتا ہے عادتِ ناس کے مطابق ہے اور کالردار قمیص یا شرٹ پہن کر حاکموں کے دربار میں جانا قطعاً بے ادبی نہیں سمجھا جاتا اس لیے یہ مکروہ نہیں، بلا کراہت جائز و مباح ہے۔

اور آستین میں دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ آستین پوری ہے مگر اوپر چڑھا کر پڑھ رہا ہے اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر ہاف آستین سلی ہی گئی ہے تو اب اس کپڑے کی

وضع اور بناوٹ وہی ہے اور اس کپڑے کے پہننے کا طریقہ اور عادت وہی ہے، تو جو چیز طریقہ اور عادت بن جائے اس سے نماز مکروہ تحریمی نہیں ہوتی اور عادت کے خلاف جو کپڑا پہنا جائے اس سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، تو آستین کو آدھی کلائی تک چڑھا کر نماز پڑھنا خلاف عادت ہے اس وجہ سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اگر ہاف آستین کی شرٹ پہن کر نماز پڑھتے ہیں تو مکروہ تحریمی نہ ہوگی مگر خلاف اولیٰ ضرور ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۴)- اقامت کے بعد امام صاحب کسی سے بات کرسکتے ہیں کہ یا نہیں؟

جواب: نہیں، اقامت کے بعد وہ کسی سے بات نہیں کرسکتے، بلکہ اقامت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اب نماز قائم ہوگئی شروع ہوگئی، اور نماز میں بات چیت کرنا منع ہے۔ اس لیے انھیں فوراً نماز شروع کر دینی چاہیے، اور دنیا کی بات میں نہیں لگنا چاہیے، لیکن اگر کسی مجبوری کے تحت ایک یا دو لفظ بول دیا، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر بات نماز کے تعلق سے ہے تو اس کی اجازت ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور ﷺ اقامت کے بعد صفوں کو سیدھی کرنے کا حکم دیتے، مگر صفوں کا درست کرنا نماز ہی سے ہے، دنیا کی بات نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۵)- کسی کا ایک پاؤں نقلی یعنی مصنوعی ہے۔ اور وہ نماز کے وقت اس کو نکال دیتا ہے جس کی وجہ سے جماعت میں اس کا کندھا دوسرے نمازی سے نہیں مل پاتا ہے تو اس کی نماز مقبول ہوگی یا نہیں؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، چاہے تو پیر لگا کر پڑھے اور اگر پیر کبھی نکال دیا اور کھڑا نہیں ہو سکتا ہے تو بیٹھ کر بھی نماز پڑھ سکتا ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو کوشش کرے کہ پیر لگا ہوا پڑھے تاکہ قیام ہو سکے اور قیام کی فضیلت اور ثواب مل سکے۔ کندھے سے کندھا اگر نہیں مل پا رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ وہ اس کا مکلف نہیں۔

حدیث نبوی میں صف جوڑنے، صف سیدھی رکھنے اور ایک دوسرے سے سٹ کر کھڑے ہونے کا حکم ہے اور یہ حکم وجوبی ہے۔ لہٰذا ان تینوں احکام کی ضرور پابندی کرے، اور

سب نمازی اس پر قادر بھی ہیں مگر کندھے سے کندھا ملانا سب کے بس میں نہیں کہ لوگ مختلف قد و قامت کے ہوتے ہیں، پاؤں کے نہ ہونے کا عذر نہ ہو تو بھی مختلف قد و قامت والے کندھے کو کندھے سے نہیں سٹا سکتے، اس لیے اختیار انھیں تینوں اُمور کے اہتمام کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۶)- ایک ایسی مسجد جس میں فجر کی نماز نہیں ہوتی ہے اس میں نمازِ جمعہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: نماز جمعہ اس مسجد میں بھی درست ہے، جمعہ صحیح ہونے کے لیے کتبِ شریعت میں جو شرائط بیان کیے گئے ہیں ان میں یہ شرط کہیں اور کسی مذہب میں نہیں کہ اس مسجد میں فجر کی نماز بھی ہوتی ہو، جہاں جمعہ صحیح ہے وہاں ضرورت ہو تو کشادہ میدان میں بھی جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے اگر چہ وہاں بھی فجر کی، یا کوئی بھی نماز نہ پڑھی گئی ہو۔ ہاں جو بھی مسجد محلہ میں ہو اس کو آباد کرنا اہل محلہ پر لازم ہے کہ فجر کی نماز یا دیگر اوقات کی نماز اس میں ضرور پڑھیں تاکہ مسجد آباد رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (۱)

مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۷)- کچھ پیر یہ کہتے ہیں کہ ہم تو نماز پڑھتے ہیں، مریدوں کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب: یہ بہت بڑی نادانی کی بات ہے اور اس بکواس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آدمی یہ کہہ رہا ہے کہ مریدوں پر نماز فرض نہیں ہے ہمارا ہی پڑھ لینا کافی ہے، اگر یہ مراد ہے جیسا کہ لفظ "ضرورت" کا تقاضا یہی ہے تو ایسی صورت میں وہ ایمان سے خارج ہوگیا، کیوں کہ نماز کی فرضیت کا منکر کافر ہوا کرتا ہے۔ جس نے بھی ایسا کہا جب تک ہم اس کے قول و معنیٰ مراد کی

(۱) القرآن الکریم، الآیۃ:۱۸، التوبۃ:۹، پ:۱۰.

تحقیق نہ کر لیں اس پر ابھی کھلا ہوا حکم تو نہیں لگا سکتے، لیکن اس کا ظاہر کفر ہے، ایسے شخص کو حکم دیا جاتا ہے کہ علانیہ مسلمانوں کے مجمع میں توبہ کرے اور وعدہ کرے کہ آئندہ ایسی بات نہیں کہے گا اور ساتھ ہی ساتھ کلمہ پڑھ کر تجدید اسلام کرے، اگر بیوی والا ہو تو بیوی سے نکاح بھی کرے، اور اگر ایسا نہیں کرتا تو مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۸)- مسجد میں خطبۂ جمعہ یا خطبۂ عیدین کے وقت چوں کہ اژدحام بہت ہوتا ہے، اس وجہ سے جن لوگوں نے باہر صفیں قائم کر رکھی ہیں خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچ پاتی، تو کیا ان کی نماز درست ہوگی؟

جواب: خطبۂ جمعہ تو ضروری ہے کہ جمعہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہے مگر خطبے کے کلمات سارے نمازیوں کا سننا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ جو حکم ہے کہ جب خطبہ پڑھا جائے تو لوگ غور سے سنیں اور خاموش رہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خطیب سے قریب ہیں تو غور سے سنیں اور خاموش بھی رہیں اور اگر خطبہ کی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے تو لازم ہے کہ خاموش رہیں، لہٰذا نماز سب کی ہو جائے گی نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۹)- خطبے کے وقت ہاتھ میں عصا یا لکڑی کی چھڑی لے کر کھڑا ہونا سنت ہے یا نہیں؟

جواب: عام حالات میں سنت نہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ پہلے ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ نہیں دیتے تھے بعد میں جب عمر زیادہ ہو گئی، بدن کمزور ہو گیا اور ضعف بڑھ گیا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کمزوری کی وجہ سے ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ تو جو لوگ بوڑھے اور کمزور ہوں ان کے لیے لاٹھی لے کر خطبہ پڑھنا سنت ہے اور جو لوگ قوی، توانا ہیں اور عصا کے بغیر ان کو قیام میں کوئی دشواری نہیں ہوگی ان کے لیے سنت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۵۰)- نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۳، ص: ۶۸۴، رضا اکیڈمی۔

سوال نمبر (۵۱)- مسجد کے احاطے میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مسجد کے احاطے میں بھی نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے، کیوں کہ وہ بھی مسجد ہے، ہاں احاطے کا وہ حصہ جس میں پنج وقتہ نماز اس وجہ سے نہیں پڑھی جاتی کہ وہ نماز کے سوا دوسری ضرورتوں کے لیے ہے یعنی جوتے، چپل اتارنا، وضو کرنا وغیرہ، کہ بعد میں وہاں استنجا خانہ و وضو خانہ وغیرہ تعمیر ہوگا تو وہاں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں کہ یہ مسجد نہیں "فنائے مسجد" ہے۔ لیکن عام مسجدوں میں "فنائے مسجد" اتنی خالی جگہ نہیں ہوتی جہاں نماز جنازہ کی صفیں لگ سکیں تو لوگ مسجد کو بھی استعمال کر سکتے ہیں اس لیے منع کیا جاتا ہے۔ رہ گیا احاطے کا وہ حصہ جس میں نماز پڑھتے ہیں وہاں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس سے بچیں اور مسجد کے باہر ہی نماز جنازہ پڑھیں۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۵۲)- مسجد کے باہر جس جگہ نماز جنازہ پڑھنی ہے کیا اس کا چھت والی جگہ ہونا شرط ہے؟

جواب: چھت ہو، یا نہ ہو دونوں صورتوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

سوال نمبر (۵۳)- کپڑے کو الٹا کرنے سے کیا مراد ہے نیز اس میں نماز کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: کپڑے کو الٹا کرنے سے مراد یہ ہے کہ پہننے کے کپڑے کو اس طور پر الٹ کر پہنا جائے کہ لوگ دیکھیں تو برا سمجھیں، جنہیں اور اس طور پر کپڑا پہن کر دوسروں کے سامنے جانے کو طبیعت نہ چاہے اور بڑوں کے دربار میں وہ بے ادبی سمجھا جائے تو اس طور پر کپڑا پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ایک دوسری صورت یہ ہے کہ کپڑا اس طور پر موڑے جو عادت کے خلاف ہو کہ اس طور پر کسی باوقار بارگاہ میں جانا معیوب ہو یہی کف ثوب کہلاتا ہے اور ایسے انداز میں نماز کے لیے احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) ہدایہ اولین میں ہے: لا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقولہ علیہ السلام من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر لہ، ج: ۱، ص: ۱۶۱۔

سوال نمبر (۵۴)- اگر سنیوں کی مسجد دور ہو تو بدعقیدوں کی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: سنی حضرات اپنی مسجد خود قائم کریں، اگر اتنی وسعت نہ ہو تو کسی سنی کے گھر میں جہاں وسعت ہو وہیں جماعت قائم کریں اور غیروں کی مسجدوں میں ہرگز نہ جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۵۵)- کسی کا موبائل چالو ہو اور عین حالت نماز میں موبائل بجنے لگے تو وہ کیا کرے؟

جواب: نماز کے وقت میں اولاً تو موبائل آف کر دینے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ سائیلنٹ (Silent) میں کبھی کبھی تھرتھراہٹ (Vibrate) کی وجہ سے نمازی خود ہی خلل میں پڑ جاتا ہے، اور اس کا خشوع و خضوع درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر بند کرنا بھول گیا اور دوران نماز موبائل بجنا شروع ہو گیا اور موبائل ایسا ہے کہ ایک ہی مرتبہ کوئی بٹن دبانے سے آواز بند ہو جائے گی تو بند کر دیں کیوں کہ نماز میں عمل قلیل کی رخصت ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

ان کنت لا بد فاعلاً فواحدۃ۔[1]

اگر کرنا ضروری ہو تو ایک بار کر سکتے ہیں۔

اور اگر موبائل ایسا ہے کہ اس میں بہت سے بٹن ہیں اور وہ اتنا ماہر بھی نہیں کہ ایک بار ہی میں بند کر لے، بلکہ متعدد بار اور کئی ایک بٹن دبانے کی ضرورت پیش آئے جس کی وجہ سے عمل کثیر میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو، تو اس کو بجنے دے اور نماز پڑھے کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو نماز کو فساد سے بچانے کے لیے کچھ خلل گوارا ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۵۶)- ایک بھائی کا انتقال ہوا، سنی تھے وہ، ان کی امی بھی سنی تھیں، ابا وہابی تھے۔ اب اس کی نماز جنازہ اس کے ابا کے دوست نے پڑھائی، ابا کے حکم پہ پیچھے مقتدی

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب کراهیة مسح الحصیٰ و تسویة التراب التراب فی الصلاۃ، ج: ۱ ص: ۲۰۶۔

سنی، وہابی دونوں تھے۔ تدفین کی گئی، فاتحہ بھی پڑھا گیا۔ اب چوں کہ وہابی کی امامت میں پڑھائی گئی تو نماز جنازہ ہوئی نہیں یہ سوچ کر ۴/۵ بھائیوں نے مرحوم کے ماموں سے اجازت لے کر دوسری بار نماز جنازہ پڑھی اب یہ حالت تھی کہ میت کی قبر پر مٹی ڈال دی گئی پھر یہ نماز پڑھی گئی۔ پوری تدفین اور مکمل فاتحہ ہونے کے بعد ایسا کرنا کیسا؟ اس پہ کیا حکم ہوگا؟ نماز جنازہ فرض کفایہ تھی، یہ سوچ کر دوسری بار نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ پہلی بار میں وہابی کی امامت ہوئی تھی اس لیے فرض کفایہ کی ادائیگی ہوئی۔ میت قبر کے اندر تھی تو کیا شرع کا حکم ہوگا؟ رہنمائی کریں یہ عمل ہو چکا، اب لوگ غیبت و بدگمانی کر رہے ہیں۔ جس نے دوبارہ یہ نماز پڑھی اس نے اچھا کیا کہ نہیں؟

جواب: ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے اور وہابی دیوبندی کے نماز جنازہ پڑھنے، پڑھانے سے نماز نہیں ہوتی، اس لیے یہاں وہ فرض کفایہ ادا نہ ہوا۔ اور بلا نماز جنازہ تدفین بھی ہو گئی تو مسلمانوں پر فرض تھا کہ قبر کے قریب کھڑے ہو کر قبلہ رو نماز جنازہ پڑھیں، یہ کام چند مسلمانوں نے کر لیا، تو فرض کفایہ ادا ہو گیا، شریعت کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ جب تک ظن غالب ہو کہ میت کا بدن پھٹا نہیں ہے اس وقت تک نماز جنازہ پڑھ لی جائے اور یہاں وہ ظن غالب یقیناً ہے کیوں کہ دفن کے بعد جلد ہی نماز جنازہ پڑھ لی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۵۷)- عورتیں جو لباس پہنتی ہیں ان میں ایک کپڑا جو چوڑی دار پاجامہ (یہاں گجرات میں "سلیکس" کہتے ہیں) ہے اس میں بھی کتنے ایسے ہوتے ہیں جن میں چوڑی نہیں ہوتی لیکن وہ پیروں سے یکدم چپکا ہوتا ہے تو کیا ایسا کپڑا پہن کر عورت نماز پڑھ سکتی ہے؟

جواب: ایسا کپڑا پہن کر عورت نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ ہو گی۔ عورت کے بدن میں چھبیس اعضا ایسے ہیں جن کا چھپانا فرض ہے ان میں دونوں پنڈلیاں بھی ٹخنے تک شامل ہیں ان اعضا میں سے کوئی عضو چوتھائی حصے کی مقدار عورت قصداً کھولے، یا ایسا کپڑا پہنے جس سے وہ حصہ جھلکے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، فقہا نے کشف عورت یعنی شرم کی جگہ کھلنے کا حکم بیان

کیا ہے۔ لیکن اگر کپڑا تنگ و چست ہو جس سے بدن کی ساخت، اونچ، بیچ اور ابھار وغیرہ ظاہر ہو تو نماز ہوگی یا نہیں اس بارے میں فقہا کی تصریح فی الحال میری نگاہ میں نہیں، ہاں یہ کشف تو نہیں ہے مگر کشف کے مشابہ ضرور ہے جو ناجائز ہے اور عدم جواز پر مشتمل ہو کر جو نماز پڑھی جائے وہ مکروہ تحریمی ہوتی ہے لہٰذا میری نگاہ میں صورت مسئولہ میں یہ نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۵۸)۔ حضور ایک مسئلہ علمائے کرام کی بارگاہ اقدس میں ہے کہ ہم سنیوں کا عقیدہ ہے کہ وہابی دیوبندی کے پیچھے سنیوں کی نماز نہیں ہوتی ہے اب کوئی سنی صحیح العقیدہ مسلمان سعودیہ عربیہ مسجد کی صاف صفائی کے کام میں گیا تو وہ آدمی کیا کرے گا اگر اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو ہوتی نہیں اور نہیں پڑھتا ہے تو گناہ گار ہوتا ہے ایسی صورت میں اب وہ کیا کرے۔ اور اس آدمی کا وہاں دو یا تین سال رہنا ہے۔

جواب: یہ شخص تنہا نماز پڑھے اور اس کے لیے جو صورت ممکن ہو وہ اپنائے ہاں اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ اس مسجد کا امام سنی ہے تو اس کی اقتداء میں جماعت سے نماز پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)

کتاب الزَّکاۃ

(زکات کے مسائل)

لغوی اعتبار سے زکات کا معنی۔ پاکیزگی، بڑھنا، برکت اور ذبح ہے۔
اصطلاح شرع میں زکات کا مفہوم یہ ہے کہ جس مال پر ایک سال گزر گیا ہو اس میں سے ایک معین حصہ کا کسی مسلمان فقیر کو رضائے الٰہی کے لیے مالک بنا دینا۔ بشرطے کہ وہ فقیر ہاشمی نہ ہو۔ ارکان اسلام میں نماز کے بعد زکات کا نمبر آتا ہے زکات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں تیس مقامات پر اس کا تذکرہ ہے جن میں اٹھائیس ایسے مقامات ہیں جہاں زکات کا ذکر نماز کے ساتھ ہے نماز ہی کی طرح زکات کی ابتدا شروع اسلام سے ہے۔ اس وقت زکاۃ کا لفظ انفاق فی سبیل اللہ اور خیرات کے مترادف تھا۔ سورہ مزمل میں اس کی صراحت ہے:

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا.[1]

گویا اجمالی طور پر اس کا آغاز ابتدائے اسلام میں ہوا، مگر ۲ر ہجری میں باقاعدہ ایک نظام کی صورت میں فرض ہوئی، جس کی تکمیل بالتدریج فتح مکہ کے بعد ہوئی۔ نماز حقوق اللہ میں سے ہے جب کہ زکاۃ میں حقوق العباد کا پاس و لحاظ کیا گیا ہے، نماز بدنی عبادت ہے اور زکاۃ مالی عبادت ہے۔ نظام زکاۃ کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آئے۔ سرمایہ داروں اور غریبوں کے درمیان توازن قائم ہو اور ملت اسلامیہ کے افراد میں باہمی ہمدردی، غم خواری، تعاون و خبر گیری اور محبت و مودت کا رشتہ قائم رہے۔

(مرتب غفرلہٗ)

(۱) القرآن الکریم، الآیۃ: ۲۰، المزمل: ۷۳، پ: ۲۹.

سوال نمبر (۵۹)- ہندہ ایک طلاق شدہ عورت ہے، اس نے عربی کی کتاب پڑھاکر ۳۰ ہزار روپے اکٹھاکر لیے ہیں توکیااس پر بھی زکات واجب ہے؟

جواب: ہاں! اس عورت پر بھی زکات فرض ہے اور صدقۂ فطرو قربانی واجب ہے۔ جس کے پاس انگریزی زمانے کے چاندی کے چھپن روپے ہوں، یا اتنے وزن کی چاندی ہو، یا اتنی قیمت کا چاندی کا زیور ہو تو اس پر زکات فرض ہوجاتی ہے۔ چاندی کا دام گھٹتا، بڑھتا رہتا ہے اس لیے اس کی قیمت بھی گھٹتی، بڑھتی رہتی ہے، تو الگ الگ زمانوں میں اس کی قیمت بھی الگ الگ ہوگی، آج کے دن چاندی کے چھپن روپے بھر کی قیمت ۷۵۰۰/ روپے بنتی ہے۔ آگے چل کر اس کی قیمت اس سے زیادہ، یا بہت زیادہ بھی ہو سکتی ہے تو ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے زمانے میں اتنی چاندی کی قیمت کسی قابلِ اعتماد سنار سے معلوم کرکے اس کی زکات اداکریں۔[۱]

الغرض جس عورت کے پاس اتنے روپے ہوں جو سوال میں مذکور ہیں، یا اس سے زائد ہوں اس پر فی الحال زکات بھی فرض ہے، اور قربانی اور صدقہ فطر بھی واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۶۰)- زید نے اپنی پھوپھی کو ایک ہزار روپے قرض دیے، لیکن اس نے ابھی قرض کی رقم واپس نہیں کی؛ کیوں کہ اس وقت اس کی حیثیت دینے کے لائق نہیں ہے، زید نے سوچا کہ وہ زکات کے طور پر اسے دے دوں، توکیا اس سے زید کی زکات ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: ایسا نہیں ہو سکتا کہ قرض کے طور پر دیا تھا اور اب زکات کی نیت کرلے تو زکات ادا ہو جائے۔ زکات ایک عبادت ہے، جس طرح نماز ایک عبادت ہے اور عبادت صحیح ہونے کے لیے وقتِ ادائیگی نیتِ عبادت ضروری ہے اور یہاں تو وقتِ ادا نیتِ قرض تھی۔

اگر کوئی نماز کی طرح اٹھک بیٹھک کرے اور نماز کی نیت نہ کرے تو اس کی نماز نہ ہوگی؛ اسی طرح سے کوئی رقم کسی محتاج فقیر کو دیدے اور دیتے وقت زکات کی نیت نہ کرے تو زکات

(۱) آج ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۸/ فروری ۲۰۱۷ء روز شنبہ کو ۵۶/ روپے بھر چاندی کی قیمت ۷۵۰۰/ روپے ہے۔ اور آئندہ یہ دام کم و بیش بھی ہو سکتا ہے۔ ۱۲مرتب غفرلہ

بھی ادا نہیں ہوگی، اور جس وقت زید نے وہ روپیہ دیا تھا اس وقت اس کی نیت زکات کی نہ تھی، اس لیے اس کی زکات ادا نہیں ہوگی۔

ہاں اگر زید چاہتا ہے کہ وہ روپیہ زکات میں شمار ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ پھوپھی کو اپنے پاس سے زکات کی نیت سے زکات کا دوسرا مال دیدے اور جب پھوپھی اس پر قبضہ کرلے تو وہ ادائے قرض کی نیت سے زید کو واپس کردے، اور اگر وہ واپس نہ کرے تو زید اس کے ہاتھ سے اپنے قرض کی وصولی میں لے بھی سکتا ہے۔ اس طریقے سے زکات بھی ادا ہو جائے گی اور اسے قرض کا روپیہ بھی مل جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۶۱)- گورنمنٹ ملازمین کو جی، پی، ایف، کا پیسہ کٹتا ہے، اس کی زکات کب اور کیسے ادا کی جائے؟

جواب: اس میں دو صورتیں ہیں: اول فنڈ یعنی (G.P.F.) میں جو روپے حکومت تنخواہ سے ہر ماہ کاٹ، کاٹ کر جمع کرتی ہے، اس میں دو طرح کے روپے شامل کرتی ہے۔ ایک وہ روپے جو اپنے ملازم کی تنخواہ سے کاٹ کر جمع کرتی ہے، یہ اصل رقم ہے۔ اور دوسرے وہ روپے جو حکومت اس پر اپنی طرف سے نفع کے طور پر شامل کرتی رہتی ہے۔ تو جو رقم تنخواہ سے کٹ کر جمع ہوئی، یا ہو رہی ہے، یا کوئی بونس ملا ہے، ایسی تمام رقوم پر سال بسال زکات واجب ہے۔ رہ گیا نفع کا مسئلہ تو جب نفع کی پوری رقم قبضے میں آجائے تو اس سال کے مالِ نصاب کے ساتھ اسے جوڑ کر اس کی زکات دیں۔ یہاں یہ امر واضح رہے کہ نفع پر زکات کے وجوب و عدمِ وجوب کی بنیاد اس امر پر ہے کہ کھاتے میں اس کا اندراج شرعاً قبضہ ہے یا نہیں۔ اصل مذہب کی بنا پر تحقیق یہ ہے کہ وہ قبضہ نہیں ہے اس لیے قبضہ سے پہلے اس کی زکات واجب نہ ہوگی، لیکن حالات بدل رہے ہیں، لوگ اپنے طور پر اس اندراج کو ہی قبضہ کے لیے کافی سمجھتے ہیں ممکن ہے آگے چل کر حالات اس قدر بدل جائیں کہ عوام و خواص اس کے ساتھ قبضہ جیسا معاملہ کرنے لگیں تو اس وقت حکم بدل سکتا ہے فی الحال حکم شرع یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۶۲)- ہمارے پاس بہت سے کمرے ہیں جن کو ہم نے کرایہ پر دے رکھا ہے، توکیا کمروں کی قیمت پر زکات دینی ہوگی یا پھر کرایے سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر؟

جواب: کمروں کی جو اصل قیمت ہے اس پر زکات قطعاً نہیں، بلکہ صرف اس سے حاصل ہونے والے کرایے کے روپے پر زکات فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۴۳)۔ ہائی ڈپوزٹ کا رواج ممبئی میں بڑھتا جا رہا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟
کسی صاحب مکان کو لمبی رقم دے کر اس کا مکان لے لیتے ہیں پھر اسے کرایے پر دے کر نفع حاصل کرتے ہیں جب اس کی دی ہوئی لمبی رقم اسے واپس ملتی ہے تو یہ اسے اس کا مکان واپس کر دیتا ہے۔ اس کو ہائی ڈپوزٹ کہا جاتا ہے۔ مزید عرض ہے کہ اس لمبی رقم کی زکات کس پر فرض ہے؟

جواب: ہائی ڈپوزٹ کا یہ معاملہ در حقیقت قرض اور سود کا معاملہ ہے، وہ لمبی رقم جسے ہائی ڈپوزٹ کہا جاتا ہے شرعاً قرض ہے اور قرض دے کر مقروض کے مکان سے نفع حاصل کرنا سود ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

كلُّ قرضٍ جرَّ نفعًا فهو ربو.
قرض کی وجہ سے جو نفع ملے وہ سود ہے۔ (مسند حارث)

مال قرض کی زکات قرض خواہ پر فرض ہوتی ہے اس لیے قرض دینے والا اس کی زکات ادا کرے۔ ساتھ ہی مقروض کے مکان سے اس نے جو نفع کمایا وہ بھی اسے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵

کتاب الصّوم

(روزے کے مسائل)

روزہ اسلام کی پانچ رکنی عبادات میں سے تیسری عبادت ہے، دیگر عبادات میں ریاکاری کا شائبہ ہے مگر روزہ ایسی عبادت ہے جس میں ریا کا شائبہ نہیں ہے، روزہ بندے کی جانب سے رب کریم کی بارگاہ میں ایک خاموش نذرانہ ہے انتہائی درجہ کی بھوک و پیاس کے باوجود انسان تنہائی میں بھی مرغوبات کی جانب توجہ نہیں دیتا اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ میرا خالق و مالک علیم و خبیر ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جس طور پر یہ عبادت خاص ہے اسی طور پر اس کی جزا بھی خاص ہے۔

چناں چہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:
"روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں دوں گا۔" (۱)

صیام کا مادہ صوم ہے لغت میں صوم کا معنی ہے رکنا اور باز رہنا۔

شرعی اصطلاح میں صائم یا روزہ دار اسے کہتے ہیں جو بہ نیت عبادت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے آپ کو کھانے پینے اور جماع سے باز رکھے۔

جیسا کہ علامہ نسفی لکھتے ہیں:

هو ترك الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى الغروب بنيته من أهله. (۲) مرتب غفرلہٗ

(۱) الصحیح لمسلم ص:۳۶۳، مجلس البرکات مبارکفور.
(۲) کنز الدقائق، ص:٦٦، کتاب الصوم.

سوال نمبر (۶۴)- ایک شخص نے روزے کی منت مانی تھی، مگر اس کو یاد نہیں رہا کہ پندرہ دن کی مانی تھی یا ایک ماہ کی تو، اس صورت میں وہ کیا کرے؟

جواب: اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ وہ پورے ایک ماہ کے روزے رکھے تاکہ پورے طور پر اطمینان حاصل ہوجائے کہ اس نے جو منت مانی تھی وہ ضرور ادا ہوگئی اور اس کی ادائگی میں کوئی شبہہ نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ.(۱)

شبہہ کو چھوڑ کر یقین پر عمل کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۶۵)- شوال کے روزے کب رکھے جائیں؟

جواب: عید کے بعد دوسرے دن سے جب چاہیں یہ روزے رکھ سکتے ہیں، بس یہ لحاظ رہنا چاہیے کہ ماہِ شوال میں یہ روزے مکمل کر لیے جائیں کہ حضور سید عالم ﷺ نے مطلقاً شوال میں چھ روزے رکھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ مثلاً صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر ان کے بعد چھ دن شوال میں رکھے تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے زمانے کا روزہ رکھا۔"(۲)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ فضیلت شوال میں چھ روزے رکھنے کی ہے اور جب یہ ترغیب مطلق ہے تو پورے ماہ شوال میں ایک ساتھ یا الگ یہ روزے رکھنے کا اختیار ہے ہاں اگر ایک ایک دن کے ناغے سے یہ روزے رکھے تو بہتر ہے۔

اگر عورتوں کو روزے رکھنے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ ایام عورتوں کی پاکی کے ہوں یعنی نہ تو حیض کا خون آرہا ہو، اور نہ نفاس کا خون آرہا ہو، ان دنوں کے علاوہ وہ جب چاہیں پورے شوال میں روزے رکھ سکتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۶۶)- آج کل کچھ جگہوں پر یہ طریقہ ایجاد کیا گیا ہے کہ شعبان کے آخری

(۱) صحیح البخاری، ج:۱، ص:۲۷۵، کتاب البیوع، مجلس البرکات.
(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستۃ ایام من شوال

ہفتے میں استقبال رمضان کے عنوان سے کچھ لوگ جلسے یا اجتماع کرتے ہیں جس میں روزے کے فضائل و مسائل بتاتے ہیں، اس کا ثبوت سلف سے ہے یا اس زمانے کے علما کی ایجاد ہے؟

جواب: اس کا ثبوت حدیث شریف سے ہے، یہ بدعت نہیں، سنت ہے، مسلمان اگر جگہ جگہ اس کا اہتمام کریں اور لوگوں کو رمضان شریف کے فضائل و مسائل سے آگاہ کریں تو وہ اجر کے حق دار ہوں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شعبان کے آخری دن میں یہ وعظ فرمایا: اے لوگو! تمھارے پاس عظمت والا، برکت والا مہینہ آیا، وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیے۔

حضور ﷺ نے دیر تک یہ وعظ فرمایا اور رمضان کے بہت سے فضائل بیان فرمائے یہ پوری حدیث بہارِ شریعت میں موجود ہے۔(۱)

سوال نمبر (۶۷)- انسان اب چاند پر پہنچ چکا ہے، ممکن ہے کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ وہاں انسان رہنے بسنے لگیں تو وہ رمضان کے روزے کتنے دن رکھیں گے؟

جواب: ابھی تو اس کی حاجت نہیں، مگر شریعت کسی بھی صورت کے جواب سے عاجز نہیں، اگر کبھی چاند پر انسانی آبادی ہوجائے تو ظاہر یہ ہے کہ چاند برابر ان کے پیش نظر ہوگا اس لیے وہ ہمیشہ تیس دن کے روزے رکھیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۶۸)- رمضان شریف میں عمرے کے لیے غروب آفتاب کے قریب جہاز نے اُڑان بھری، اگر ایئر پورٹ پہ رہتے تو ۲؍۳ منٹ میں روزہ افطار کر لیتے مگر پرواز کی صورت میں دیر تک سورج نظر آتا رہا تو افطار کب کریں؟

جواب: جب یقین ہوجائے کہ سورج غروب ہوگیا، اور اندھیرا چھا جائے تب افطار کرے۔ زمین پر ہو تو جس جگہ رہتا ہے وہاں کے غروب کا لحاظ کرکے روزہ افطار کرتا ہے۔ مثلاً یوپی کا رہنے والا ممبئی چلا جائے تو اپنے یہاں کی بہ نسبت بہت دیر سے روزہ افطار

(۱) بہارِ شریعت، حصہ:۵، ص:۹۵۰، روزے کا بیان، بحوالہ بیہقی شعب الایمان، مطبوعہ مجلس المدینہ.

کرے گا، یوں ہی زمین کا رہنے والا اگر فضاؤں میں چلا جائے تو وہاں کے اعتبار سے جب غروب ہو گا تب افطار کرے۔ قرآن حکیم میں مطلقاً یہ حکم دیا گیا:

"ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ"

روزے رات تک پورے کرو۔

اس اطلاق کا تقاضا یہی ہے کہ جس کے حق میں جہاں رات آئے وہ وہاں پر روزہ افطار کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۶۹)۔ سعودیہ میں ملازمت کرنے والے وہاں روزے پورے کر کے عید کرنے اپنے وطن چلے آتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ تیسواں روزہ رکھتے ہیں، اور سعودیہ سے آنے والا تیس روزے پورے کر چکا ہوتا ہے تو اب وہ کیا کرے؟

جواب: وہ بھی لوگوں کے ساتھ تیسواں روزہ رکھے۔ قرآنِ حکیم میں مطلقاً یہ حکم دیا گیا:

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"

تم میں سے جو رمضان کا مہینہ پائے وہ روزہ رکھے۔

اور سعودیہ سے آنے والے نے یقیناً یہاں رمضان کا مہینہ پایا، لہٰذا اس پر تیسواں روزہ رکھنا فرض ہے۔

سوال نمبر (۷۰)۔ برطانیہ وغیرہ کچھ ممالک میں کچھ خاص ایام میں دن غروب ہونے کے چند گھنٹے بعد سورج طلوع ہو جاتا ہے حالاں کہ ابھی نہ شفق غروب ہوتی ہے اور نہ صبح کاذب یا صادق طلوع ہوتی ہے وہ لوگ رمضان المبارک کی راتوں میں کب تک کھا پی سکتے ہیں؟

جواب: وہ لوگ رات کا پورا وقت جوڑ کر تنصیف کر لیں، آدھی رات تک کھائیں، پئیں، اور آدھی رات کے بعد روزے کے ممنوعات سے بچیں، آدھی رات تک تو یقیناً رات ہے اور اس کے بعد شک ہے۔ لہٰذا شک والے اوقات میں کھانے پینے سے احتراز کریں، عبادات میں احتیاط پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا یقینی طور پر روزے کو محفوظ رکھنے کی یہی صورت ہے کہ نصف شب سے پہلے تک کھائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱)

کتاب الحج

(حج کے مسائل)

حج اسلام کا پانچواں اور عبادات کا چوتھا اہم رکن ہے، جو مالی اور بدنی عبادت کا مجموعہ ہے۔ حج قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ (۱)

حدیثِ پاک میں ہے:

الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة۔ (۲)

بندۂ مومن عشقِ الٰہی میں مست ہو کر کفن نما لباس پہن کر ننگے سر، بکھرے ہوئے بالوں اور میلے کچیلے جسم کے ساتھ لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا ہوا صحن کعبہ میں داخل ہوتا ہے اور دیوانہ وار کعبۃ اللہ کا چکر لگاتا ہے، کبھی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے اور پھر سرگرداں شہر مکہ چھوڑ کر منیٰ، عرفات، مزدلفہ کی وادیوں میں صحرا نوردی کرتا ہے۔

حج کو اسلام کی عظیم سالانہ کانفرنس کا درجہ حاصل ہے۔ جہاں مختلف رنگ، نسل، زبان اور وطن کے افراد وحدتِ اسلامی کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں اسلامی وحدت و یگانگت کے اس عالم گیر اور روح پرور اجتماع کی نظیر دنیا کی کسی قوم اور کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ حج نفسِ انسانی کی تطہیر و تہذیب کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔

فرضیتِ حج کی چند شرطیں ہیں: (۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) حریت

(۱) القرآن الحكيم، الأية: ۹۷، آل عمران: ٤، پ: ٤.

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب المناسك، باب فضل الحج والعمرة، ج:۱، ص:٤٣٦، مجلس البركات مبارکفور.

(۵) زادِ سفر (۶) صحت وسلامتی (۷) راستہ کا پُرامن ہونا۔

عورت پر دو شرطوں کا اضافہ ہے: (۱) شوہر یا ایسے محرم کی رفاقت جس سے ہمیشہ نکاح حرام ہو۔ (۲) عدت میں نہ ہو۔

حج نو ہجری میں فرض ہوا، رسولِ مقبول ﷺ نے اپنے وصال سے صرف تین ماہ پہلے حج ادا فرمایا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ مرتب غفرلہٗ

سوال نمبر (۷۱)۔ ایک خاتون شادی شدہ ہیں وہ اپنے کسی بھائی یا والد یا کسی اور محرم کے ساتھ حج کے لیے جانا چاہتی ہیں، مگر ان کو ان کے شوہر کی طرف سے اجازت نہیں ہے وجہ خواہ کچھ بھی ہو دنیا کی محبت، یا پھر کسی اور وجہ سے، تو کیا وہ خاتون اپنا پہلا حجِ فرض شوہر کی اجازت کے بغیر کر سکتی ہیں یا نہیں؟

جواب: جس عورت پر حج فرض ہو چکا ہے وہ اپنے بھائی، باپ، یا نیک بھتیجے کے ساتھ جانا چاہتی ہے تو جا سکتی ہے، اور شوہر کے روکنے کی وجہ سے اس کے اوپر رکنا ضروری نہیں۔ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و پیروی میں مخلوق کی فرماں برداری نہیں کی جائے گی۔ مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔ حدیث پاک کے کلمات یوں ہیں:

لَا طاعةَ لاحدٍ في معصيةِ اللهِ، إنما الطّاعة في المعروف.

الشيخان وابوداؤد والنسائي عن عليٍ كرم الله تعالىٰ وجهه، وقال- صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق- احمد الامام ومحمد الحاكم عن عمران والحكم عن عمرو الغفاری رضی الله تعالىٰ عنه-[1]

جب حج فرض ہو گیا ہے تو وہ عورت، اپنے والد یا بھائی کے ساتھ چلی جائے اور شوہر پر لازم ہے کہ اسے حج کو جانے سے نہ روکے کہ حج فرض سے روکنا گناہ ہے۔ قرآنِ حکیم میں نیکی کے کام پر تعاون کا حکم دیا گیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۱۱۲، رسالہ: الاحلیٰ من السکر، رضا اکادیمی۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى.[1]

نیکی اور پرہیزگاری کے کام پر ایک دوسرے کا تعاون کرو۔ اور روکنا اس حکم کی کھلی مخالفت ہے شوہر اپنی ممانعت سے باز آئے اور توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۷۲)۔ حج میں طواف کے بعد چپل وغیرہ غائب ہونے کی صورت میں کیا دوسرے کی چپل پہننے کی رخصت ہے؟

جواب: دوسرے کی چپل یا دوسرے کا کوئی بھی سامان بغیر اس کی اجازت کے اپنے استعمال میں لانا، ناجائز اور حرام و گناہ ہے۔ جس طریقے سے حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوتا ہے، ویسے ہی وہاں پر ایک برائی کا گناہ ایک لاکھ گناہ کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر گز ہر گز ایسا نہ کریں کہ دوسرے کی چپل بلا اجازت پہن لیں، بلکہ پیسے خرچ کر کے چند جوڑی چپل خرید لیں تاکہ اگر آپ کی ایک جوڑی غائب ہو جائے تو دوسری جوڑی پہن لیں۔ شریعت اسلامیہ میں دوسرے کی چپل بلا اجازت پہن لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۷۳)۔ ایک غیر مسلم مال دار نے منت مانی کہ اگر میری مراد پوری ہو جائے گی تو میں ایک مسلمان کو حج کراؤں گا، اب مراد پوری ہو جانے پر وہ ایک مسلمان کو حج کرانا چاہتا ہے، تو کیا اس کے پیسے سے حج کر سکتے ہیں؟

جواب: ہاں، غیر مسلم کے دیے ہوئے روپے، پیسے سے حج کر سکتے ہیں، حج کے فرائض، ارکان، واجبات اور سنن و مستحبات سب مسلمان ادا کرتا ہے اور مسلمان ان عبادات کی ادائگی کا اہل ہے، اصل عبادت میں کہیں بھی غیر مسلم شریک نہیں ہے اس لیے بلا شبہہ اس کا حج صحیح و درست ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ وہ غیر مسلم جس کی مراد پوری ہوئی ہے، حج کے لیے جس مقدار میں روپے خرچ ہوں گے اس سے کچھ زائد کسی مسلمان کو دے کر مالک بنا دے پھر وہ اس سے حج کرے اگر دوسری شرطیں پائی جاتی ہیں تو وہ حج مقبول بھی ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) القرآن الحکیم، الأیة: ۹۷، أل عمران: ٤، پ: ٤.

سوال نمبر (۷۴)- حدیث شریف میں ہے کہ جس نے حج کیا گویا وہ گناہوں سے اس طور پر پاک ہو گیا کہ جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ تو سوال یہ ہے کہ ایک صاحب حج کر کے آئے ان پر نمازیں قضا تھیں وہ قضائے عمری ادا کرنا چاہتے ہیں تو وہ حج سے پہلے کی بھی نمازیں پڑھیں گے یا صرف حج کے بعد کی قضا ادا کریں گے ؟

جواب: یہ سوال بہت عمدہ ہے، کیوں کہ بہت سے حاجی صاحبان یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اب ہم نے حج کر لیا تو پہلے کا سب معاف ہو چکا، اب آج سے ہماری نئی زندگی کی شروعات ہو رہی ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اس طرح کی بات حدیث میں تو ہے کہ جس نے حج کر لیا وہ اس دن کی طرح ہو گیا جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا یعنی گناہوں سے پاک، صاف اور ستھرا ہو گیا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے جو نمازیں نہیں پڑھی ہیں وہ نمازیں بھی معاف ہو گئیں، زکات نہیں دیا تھا تو زکات معاف ہو گئی، صدقہ فطر نہیں دیا تھا تو وہ بھی معاف ہو گیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نمازیں چھوٹ گئی ہیں تو نماز کی ادائگی میں جو تاخیر ہوئی اور اس تاخیر کی وجہ سے جو گناہ ہوا، وہ گناہ معاف ہوا، اور اصل حق جو اللہ تعالیٰ کا اس کے ذمہ ہے وہ معاف نہیں ہوا۔ یا کسی بندے کا اس کے اوپر کوئی حق ہے تو وہ بھی معاف نہ ہوگا۔ بلکہ حقوق کی ادائگی میں جو دیر کرنے کی وجہ سے گناہ ہوا وہ حج کی وجہ سے معاف ہو گیا اور وہ اس طرح ہو گیا جس طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا لیکن اصل حق ذمہ میں باقی رہتا ہے۔ اس لیے اس پر فرض ہے کہ بلا تاخیر، جتنی جلد ممکن ہو چھوٹی ہوئی نمازوں کو ادا کرے، اور جن برسوں کی زکات نہیں دی ہے ان تمام برسوں کی زکات ادا کرے، کسی کا مال دبا رکھا تھا تو جلد اس کو ادا کرے، اور اگر فوراً ادا نہیں کر سکتا ہے تو اس سے مہلت مانگے، یا استطاعت نہیں ہے تو معاف کرائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۷۵)- زید حج کو جا رہا تھا اور اس نے دورانِ سفر بہ مجبوری ایک مقام پر احرام اتار دیا تھا، پھر احرام باندھ کر حج کی ادائگی کی تو کیا اس پر دم ہے۔ اور ہے تو دم کے بکرے کو ذبح کر کے گوشت کو کیسے تقسیم کریں گے، یا اسے یتیم خانے میں دے دیا جائے ؟

جواب: احرام اتارنے کا مطلب شاید "احرام کے کپڑے اتارنا" ہے اور اِحرام کے کپڑے اتارنے سے کوئی اِحرام سے باہر نہیں ہوتا، نہ احرام فاسد ہوتا ہے کیوں کہ

کسی وجہ سے صرف احرام کے کپڑے اتارنا کوئی جرم نہیں، آخر غسل کے وقت ایک کپڑا تو اتارنا ہی ہوتا ہے تو اس سے قطعاً دم واجب نہیں، ہاں اگر بغیر سلے ہوئے کپڑے اتار کر سلے ہوئے کپڑے پہن لیے، تو بھی وہ احرام سے باہر نہیں ہوگا، بلکہ صرف اتنا ہوگا کہ سلا ہوا کپڑا پہننے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا، اس لیے کہ اس نے احرام کے آداب کی خلاف ورزی کی ہے۔ اب اگر بارہ گھنٹے یا اس سے زیادہ سلے ہوئے کپڑے پہنے رہا تو اس پر ایک دم واجب ہے، اور حرم شریف ہی میں کہیں دم دے اور اس کا گوشت نہ خود کھائے اور نہ ہی دوست واحباب کو دے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ غریبوں، فقیروں کو دے، ان میں تقسیم کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۷۶)- کیا حمل کی وجہ سے حج کی تاخیر کی اجازت ہے کہ اس سال نہ کرے اور آئندہ سال جب محرم دستیاب ہو تب کرے جب کہ اس سال شوہر بھی حج کو جا رہا ہے لیکن ایام حج یا اس کے قریب میں وضع حمل کا امکان ہے اور عورت کو وضع حمل بذریعہ آپریشن ہی ہوتا ہے اور یہ پانچواں حمل ہے۔

جواب: یہ میاں بیوی حج کمیٹی کے نام ایک درخواست کے ذریعہ اپنا عذر بیان کر کے اپنا سفر آخری فلائٹ سے کرالیں تاکہ آپریشن کے بعد عورت اس وقت تک ٹھیک ہو کر سفر حج پر جا سکے اور اگر ظن غالب ہو کہ آخری فلائٹ تک بھی صحت یاب ہو کر سفر کے لائق نہ ہو سکے گی تو معذور ہے، اور یہ عذر بھی اس کا اپنا اختیاری نہیں اس لیے بوجہ مجبوری اس سال حج کو نہ جانے پر گنہگار نہ ہوگی۔

یہ حاملہ، ولادت کی ماہر لیڈی ڈاکٹر سے سمجھ لے وہ پیدائش کا جو وقت بتائے اس کے لحاظ سے وہ ماہر سرجن سے مشورہ کرے کہ آخری فلائٹ تک سفر حج کو جا سکتی ہے کہ نہیں۔ پھر اس فیصلہ کے مطابق رکے یا حج کو جائے۔ حج کمیٹی میں لیڈی ڈاکٹر اور سرجن دونوں کی صلاح تحریری طور پر پیش کرے تو اس عذر معقول کی وجہ سے اس کے سفر کا شیڈول بدل سکتا ہے یا منسوخ ہو سکتا ہے فقہا فرماتے ہیں: "الضرورات تبیح المحظورات" مجبوری کے حالات ممنوع چیزوں کو مباح بنا دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷

کتاب النکاح

(نکاح کے مسائل)

نکاح اور ایمان یہ دونوں ایسی عبادتیں ہیں جو اہل اسلام میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک بدستور چلی آرہی ہے اور جنت عدن کی ہمیشگی کی زندگی میں بھی باقی رہیں گی۔

نکاح کے ذریعے خواہشات نفسانی کازور ٹوٹتا ہے اور انسان شیطان کے شر سے محفوظ ہوجاتا ہے اور اس کی نظر پاکیزہ ہوجاتی ہے اور وہ بدکاریوں سے بچتا رہتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یَستطِع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء۔[1]

یعنی اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کہ اس سے نگاہیں نیچی اور شرمگاہیں محفوظ رہیں گی اور جس کو نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے کہ اس سے شہوت کازور ٹوٹتا ہے۔ مرتب غفرلہٗ

سوال نمبر (۷۷)۔ ایک مسلمان لڑکا، غیر مسلم لڑکی سے شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: شادی کرسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہوجائے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوئی تو حالت کفر میں کسی بھی غیر مسلم لڑکی سے مسلمان لڑکے کا نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلم لڑکی سے غیر مسلم لڑکے کا نکاح ہوسکتا ہے۔ اگر ایسے لڑکے و لڑکی باہم نکاح

(۱) مشکات المصابیح، کتاب النکاح، ج:۲، ص:۲۶۷، مجلس البرکات۔

کرتے ہیں تو شرعاً وہ نکاح نہ ہوگا، وہ دونوں ایک دوسرے کے حق میں اجنبی رہیں گے، میاں بیوی نہ ہوں گے اور اللہ کی پناہ ہم بستری زنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۷۸)۔ ایک شخص بد عقیدہ تھا اور اب خوش عقیدہ ہوچکا ہے تو کیا اس کو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟

جواب: اگر آدمی بد عقیدہ تھا اور اس کی بد عقیدگی حدِ کفر تک پہنچی ہوئی تھی اور اسی بد عقیدگی میں اس کا نکاح ہوا تھا تو اس کا نکاح نہیں ہوا، لہٰذا جیسے ہی اس نے کلمہ پڑھا اور اہلِ سنت وجماعت میں داخل ہوا اس پر فرض ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو فوراً شرعی طریقے کے مطابق اپنا نکاح کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۷۹)۔ بچوں کی شادی اور منگنی کے لیے ستارہ دیکھنا کیسا ہے اور قمر در عقرب آجائے تو کیا شادی اور منگنی اس وقت تک ملتوی کردیں؟

جواب: اسلام میں "قمر در عقرب" کوئی چیز نہیں اور سعد و نحس بھی کوئی چیز نہیں۔ ہمارے لیے ہر دن اور ہر گھڑی جو سنت کی پیروی میں گزرے مبارک ہے۔ اس وجہ سے ہر دن شادی ہوسکتی ہے اور جس گھڑی میں چاہیں اس گھڑی میں ہوسکتی ہے نہ اس میں جنتری کا سعد و نحس دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ستارہ دیکھنے کی حاجت ہے۔ ہاں یہ لحاظ رہے کہ سنت کے مطابق ہو اور شرعی خرابیوں سے پاک ہو، اور کام بسم اللہ پڑھ کر شروع کیا جائے، مسلمانوں کو اپنا ہر کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق کرنا چاہیے، اور شادی بیاہ بھی سنت کی ادائگی کی نیت سے کرنا چاہیے، پھر تو مسلمان کی ہر گھڑی اور ہر دن مبارک ہے اور سعد ہی سعد ہے۔ ہاں عام دنوں میں بدھ، جمعرات، جمعہ یا دوشنبہ کا دن ہو تو زیادہ بہتر ہے، لیکن ساتوں دنوں میں جو بھی دن ہو یا جس ٹائم میں ہو، نکاح جائز اور بالکل درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۸۰)۔ کلمۂ کفر بک دینے کے بعد نکاح باقی رہے گا، یا نہیں اور اس کے بعد زوجین ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، یا نہیں اور اگر ساتھ رہتے ہیں تو کون سا گناہ ہوگا۔ مطلع فرمائیں؟

جواب: کلمۂ کفر بک دینے سے آدمی کافر و مرتد ہوجاتا ہے اور اس کے باعث

نکاح فوراً فسخ ہوجاتا ہے یعنی فسخ کے لیے قضائے قاضی کی حاجت نہیں۔ فقہ کا یہ جزئیہ ہے:

ارتداد أحدهما فسخ عاجل.[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی کلمۂ کفر بک دے، اور کافر یا مرتد ہوجائے تو اس کا نکاح فوراً فسخ ہوجائے گا۔ اور اس نکاح کے فسخ ہونے کے لیے قاضی کے یہاں دعویٰ کرنے پھر اس کے فسخ کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ بہت سی ایسی صورتیں ہوتی ہیں جن میں نکاح فسخ ہوتا ہے مگر فسخ کا نفاذ اس وقت ہوتا ہے جب مقدمہ قاضی کے یہاں جائے، قاضی سماعت کرکے فیصلہ کرے تب جاکر وہ فسخ ہوگا یعنی نکاح ختم ہوگا۔ مگر یہاں تو کلمۂ کفر بکا اور نکاح سے خارج ہوگیا اب نہ یہ میاں میاں رہے اور نہ بیوی بیوی رہی۔ تو ایسی صورت میں دونوں کا ایک ساتھ رہنا حرام وگناہ ہے۔ کیوں کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوگئے۔ اگر اس کے باوجود وہ ایک ساتھ رہتے ہیں تو جماع حلال نہ ہوگا، بلکہ حرام ہوگا۔ حرام بھی ایسا حرام کہ اس کو زنا کہیں گے اور اولاد حرامی ہوگی۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ایسے کو بہت سخت سزا دیتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۸۱)- کچھ بچیوں نے عرض کیا ہے کہ ہمارے رشتے نہیں لگتے ہیں اور عمر بڑھتی جارہی ہے وہ کافی پریشان ہیں کہ کہیں بات بنتی ہے تو پھر ٹوٹ جاتی ہے وہ دعا کی بھی درخواست کرتی ہیں اور کوئی ایسا وظیفہ بھی چاہتی ہیں جس کو پڑھ سکیں تاکہ اچھے رشتے مل جائیں۔ سوال یہ ہے کہ لوگوں نے اسلام کے اندر طبقے بنالیے ہیں کوئی سید ہے، تو کوئی صدیقی، یا خان ہے۔ سب کی اپنی اپنی جماعت ہے اور وہ آپس میں رشتہ نبھاتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسری جماعت میں وہ رشتہ نہیں کرتے ہیں، نہ کرنے دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے کافی بچیاں گھر بیٹھی ہیں؟

جواب: اسلام میں طبقاتیت کا کوئی مسئلہ نہیں، یعنی اونچ نیچ کا کوئی مسئلہ نہیں اور چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ لیکن نکاح والے مسئلے میں عرف ناس کے باعث اس کا کچھ لحاظ ہے، اس میں برادری اور پیشے کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن لڑکوں کے تعلق سے تو

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ج:۱۰، ص:۳۲۱، دارالفکر۔

ایسا کوئی لحاظ نہیں ہے، جو کچھ کفاءت کا یا پیشے کا لحاظ ہے وہ لڑکوں کی طرف سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اگر خان گھر کا ہے اور لڑکی انصاری برادری کی ہے اور لڑکی اس کے ساتھ نکاح پر راضی ہے تو نکاح ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر لڑکی انصاری ہے اور لڑکا عرف ناس میں اس سے نیچی ذات کا ہے تو بھی اس کے والد کی رضامندی سے نکاح ہوسکتا ہے۔ نیز لڑکی اگر راضی ہے کسی بھی مسلم لڑکے سے نکاح کرنے پر تو نکاح ہوجائے گا اس شرط پر کہ لڑکی کے گھر والے اس پر راضی ہوں۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر شریعت کے اندر بالکل طے شدہ ہے اور تسلیم شدہ ہے اس پر کوئی کلام نہیں۔

رہ گیا وظیفہ تو آپ روزانہ ۱۰۰ر مرتبہ پڑھیں: أستغفر الله ربي من كل ذنب وأتوب اليه یہ پندرہ دن تک پڑھیں، پھر پندرہ دن کے بعد دو سو مرتبہ کرلیں، پھر اگلے پندرہ دن کے بعد تین سو مرتبہ کرلیں، جب تین سو مرتبہ ہوجائے تو رک جائیں۔ اس کے بعد جب تک مقصد پورا نہ ہوجائے، اس وقت تک روزانہ تین سو مرتبہ استغفار پڑھتی رہیں اور اول آخر ۳،۳ر مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں، تا حصول مراد یہ وظیفہ جاری رکھیں، اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں کہ ان شاء اللہ مراد پوری ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۸۲)- ایک صاحب نہایت ہی ضعیف ہیں اپنے جسم کی صفائی نہیں کرسکتے اور اس وقت دنیا میں ان کی بیوی بھی نہیں ہے تو کیا ان کے جسم کی صفائی ان کا بیٹا کرسکتا ہے؟

جواب: یہ مسئلہ بہرحال دشوار ہے اگر ان کی اہلیہ نہیں ہیں تو سب سے پہلے ان کو یہ حکم ہے کہ وہ کسی عورت سے نکاح کریں جو ان کی خدمت کرسکے بہت سی عورتیں ضرورت مند ہوتی ہیں کہ کوئی بھی نوکری مل جائے تاکہ ان کا گزر بسر صحیح سے ہوسکے۔ ایسی حاجت مند عورت سے وہ نکاح کرلیں اور خدمت لیتے رہیں اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ لیکن فرض کیجیے کہ ایسا کوئی انتظام نہیں ہے اور کسی مصنوعی طریقے سے بھی وہ اپنی صفائی نہیں کرسکتے ہیں تو ایسی مجبوری میں بیٹے کو یہ اجازت ہوگی کہ اپنے بائیں ہاتھ پر چمڑا یا پلاسٹک وغیرہ کا

دستانہ نصف ہاتھ تک پہن لے، دستانہ پہننے کے بعد وہ ان کو استنجا کرا سکتا ہے۔ وہ بھی اس طور پر کہ ادھر آنکھ نہ جائے، منہ پھیرے رہے اور صفائی کر دے، لیکن یہ انتہائی مجبوری کی صورت میں حکم ہے اگر ایسی مجبوری نہ ہو تو اس کو اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۸۳)۔ عورت اپنی شادی میں کتنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

جواب: مہر عورت کا حق ہے، وہ اپنی شادی میں جتنا بھی مہر چاہے مانگ سکتی ہے۔ وہ چاہے تو مہرِ فاطمی کا مطالبہ کرے۔ مگر اس کے لیے شوہر کی رضامندی بھی ضروری ہے، اسے جو بھی مانگنا ہے مانگ سکتی ہے، لیکن جتنے پر میاں بیوی کا اتفاق ہو جائے اتنا ہی مقرر کیا جائے گا۔

مہر زیادہ سے زیادہ مقرر کرنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں مہر کے لیے "قنطار" کا لفظ آیا ہے یعنی "مالِ کثیر" خود ازواج مطہرات کے مہر اچھی مقدار میں تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو مہر مقرر ہوا تھا وہ ایک کلو آٹھ سو چھیاسٹھ گرام، دو سو چالیس ملی گرام (1866.240g.) چاندی تھا۔ لیکن آج کے زمانے میں مہر کی حیثیت گھٹا دی گئی ہے اور لوگ مہر کے تعلق سے بخل سے کام لے رہے ہیں اس لیے عورتوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مہر کا مطالبہ زیادہ سے زیادہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۸۴)۔ نکاح میں مہر کی صحیح مقدار کیا ہے کچھ لوگ سات سو چھیاسی روپئے مہر میں دیتے ہیں اور کچھ لوگ ۱۲۵/ روپے مہر پر نکاح کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ معاف کروا لیتے ہیں، نیز نبی مکرم ﷺ کے زمانے میں مہر کی مقدار کتنی تھی، مطلع فرمائیں؟

جواب: مہر کی کم سے کم مقدار اس وقت کے روپے سے ۱۲۵۰/ روپے ہے[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی عورت کا مہر یا کسی غریب سے غریب لڑکی کا مہر ۱۲۵۰/ روپے سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ اگر ۱۲۵۰/ سے کم مہر مقرر کیا گیا تو بھی ۱۲۵۰/ روپے ہی دینے پڑیں گے۔ مہر کی کم سے کم مقدار شرعاً دس درہم ہے یعنی ۳۰ گرام ۶۵۹/ ملی گرام چاندی۔

(۱) آج ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۸/ فروری ۲۰۱۷ء بروز شنبہ کو مہر کی کم سے کم مقدار ۳۷۵۰/ روپے ہے۔ اور آئندہ یہ دام کم و بیش بھی ہو سکتا ہے۔ (مرتب غفرلہٗ)

چاندی کا دام گھٹتا بڑھتا رہتا ہے آج اس وقت اس کا دام بارہ سو پچاس روپے ہے آئندہ یہ دام زیادہ بھی ہو سکتا ہے اس لیے مہر کی مقدار روپے میں نہیں متعین کی جا سکتی، چاندی کا وزن یاد رکھیے اور جب ضرورت ہو بازار سے چاندی کا ریٹ معلوم کر کے کم سے کم اتنی چاندی کا دام متعین کر لیجیے۔

یہ تو ایک بنیادی مسئلہ ہوا لیکن الگ الگ ہر عورت کا کتنا مہر ہونا چاہیے اس میں ذرا تفصیل ہے جس خاندان کی وہ لڑکی ہے اس خاندان کی اس جیسی لڑکیوں کا مہر کتنا مقرر ہوتا ہے، یعنی "مہرِ مثل"[1] کتنا ہے وہ مقرر ہونا چاہیے۔ فرض کیجیے اس خاندان کی ویسی لڑکیوں کا مہر ۳۰۰۰/ روپے مقرر ہوتا ہے، تو اب جس لڑکی کا نکاح ہوگا اس کا بھی مہر ۳۰۰۰/ روپے سے کم نہیں ہونا چاہیے اس سے زیادہ ہو سکتا ہے۔

اور اگر اس خاندان کی مناسب شکل و صورت کی کوئی لڑکی بغیر اپنے ماں باپ کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے اور ہزار دو ہزار میں یا اس سے کم میں کر لے تو فقہا فرماتے ہیں کہ وہ نکاح نہ ہوگا اسی طرح سے باپ نے اپنی مرضی سے اس کا نکاح کر دیا اور لڑکی کی مرضی معلوم نہیں کی تو اب لڑکی کو اختیار ہے چاہے تو اس نکاح کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح اگر باپ نے کسی

(۱) "مہرِ مثل" کا تعارف بہارِ شریعت میں ان الفاظ میں ہے:

مسئلہ: عورت کے خاندان کی اس جیسی عورت کا جو مہر ہو وہ اس کے لیے مہرِ مثل ہے مثلاً اس کی بہن، پھوپھی، چچا کی بیٹی وغیرہا کا مہر۔ اس کی ماں کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل نہیں جب کہ وہ دوسرے گھرانے کی ہو اور اگر اس کی ماں اسی خاندان کی ہو مثلاً اس کے باپ کی چچازاد بہن ہے تو اس کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل ہے اور وہ عورت جس کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل ہے وہ کن امور میں اِس جیسی ہو ان کی تفصیل یہ ہے:

عمر، جمال، مال میں مشابہ ہوں، دونوں ایک شہر میں ہوں، ایک زمانہ ہو، عقل و تمیز و دیانت و پارسائی و علم و ادب میں یکساں ہوں، دونوں کواری ہوں یا دونوں ثیب، اولاد ہونے نہ ہونے میں ایک سی ہوں کہ ان چیزوں کے اختلاف سے مہر میں اختلاف ہوتا ہے۔ شوہر کا حال بھی ملحوظ ہوتا ہے۔ مثلاً جوان اور بوڑھے کی مہر میں اختلاف ہوتا ہے۔ عقد کے وقت ان امور میں یکساں ہونے کا اعتبار ہے بعد میں کسی بات کی کمی بیشی ہوئی تو اس کا اعتبار نہیں۔ مثلاً ایک کا جب نکاح ہوا تھا اس وقت جس حیثیت کی تھی دوسری بھی اپنے نکاح کے وقت اسی حیثیت کی ہے مگر پہلی میں بعد کو کمی ہوگئی اور دوسری میں زیادتی یا برعکس ہوا تو اس کا اعتبار نہیں۔ (در مختار)۔

(بہارِ شریعت حصہ ہفتم، ص ۶۲، ۶۳، مہرِ مثل کا بیان، قادری کتاب گھر، بریلی)

اسی لڑکی کا مہر متعین کیا جو نابالغہ ہے اور وہ مہر مثل سے کم ہے تو فقہا فرماتے ہیں کہ اگر یہ پہلا موقع ہے تو نکاح صحیح مانا جائے گا، اس کے بعد اگر دوسری لڑکی کا نکاح بھی ایسے ہی کر دیا تو معروف نااہلی کی بنیاد پر یہ نکاح صحیح نہیں مانا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ مہر مثل پر دوبارہ نکاح کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر(۸۵)۔ نکاح میں اگر بدمذہب گواہ ہوں تو اس سے نکاح ہو گا یا نہیں؟

جواب: بدمذہب کو ہرگز ہرگز گواہ نہیں بنانا چاہیے۔ کہ ان سے تعلق رکھنے کی اجازت نہیں، اور اس میں ان کی یک گونہ تعظیم بھی ہے جب کہ وہ بدمذہبی کی بنیاد پر لائق تعظیم نہیں، اگر کبھی کوئی مجبوری پیش آجائے تو مجمع میں جتنے لوگ ہیں اور وہ سنی، صحیح العقیدہ ہیں ان کو گواہ بنا دیا جائے، تو اس طور پر نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ دیارِ ہند میں یہ رواج ہے کہ خاص طور سے دو آدمیوں کو منتخب کیا جاتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں صرف وہی دونوں نکاح کے گواہ نہیں، بلکہ کل مجمع گواہ ہے، چاہے دو سو کا مجمع ہو، یا دو ہزار کا۔ اب ایسی صورت میں اگر دو بد مذہب خصوصی گواہ بنے اور میاں بیوی میں اختلاف ہو گیا مثلاً شوہر کہتا ہے نکاح ہوا ہے اور بیوی کہتی ہے نہیں ہوا۔ یا بیوی کہتی ہے ہوا ہے، اور شوہر انکار کر رہا ہے۔ اب یہ دونوں بد مذہب گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے تو ان کی گواہی رد کر دی جائے گی۔ اور اس وقت قاضی شریعت کو بہت بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اگر گواہ منتخب کرنا ہے تو سنی صحیح العقیدہ کو کریں کہ ان کو گواہ بنانا بھی جائز ہے اور ان کی گواہی قاضی کے حضور مقبول بھی ہے۔

اس لیے ہونا یہ چاہیے کہ نکاح میں جو لوگ اہلِ سنت سے ہوں اور قابلِ قبول شہادت ہوں ان کے نام بھی شمار کر کے درج کر لیے جائیں تاکہ وقت حاجت ان کو شہادت میں پیش کر کے تنازعہ کا تصفیہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر(۸۶)۔ ماں کے بطن میں بچہ ہے اس بچے کے اندر کتنے دنوں کے بعد روح ڈالی جاتی ہے۔

جواب: ماں کے شکم میں بچہ جب پورے چار ماہ کا ہو جاتا ہے یعنی ۱۲۰ دن کا، تو اس کے جسم کے اندر روح انسانی ڈالی جاتی ہے اور پھر اس کا حکم ایک انسان کا ہو جاتا ہے کہ اس کا اسقاط، قتل انسانی کے مترادف ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸

کتاب الطلاق

(طلاق کے مسائل)

طلاق کا مادہ طلق ہے۔ جس کا لغوی معنیٰ کھل جانا، رہا ہو جانا ہے، شریعت کی اصطلاح میں نکاح کے ذریعہ زوجین شرعی طور پر جن امور کے پابند ہو گئے تھے ان پابندیوں کو ختم کر دینے کا نام طلاق ہے۔ چوں کہ طلاق کے ذریعے عورت مرد کی قید نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے اس لیے شریعت میں اسے طلاق کہتے ہیں۔

شریعت میں طلاق کا حق مرد کے سپرد کیا گیا ہے، کیوں کہ مرد فطری طور پر مدبر، دور اندیش اور جذبات سے مغلوب ہو جانے کے بجائے عورت کی بہ نسبت عقل و ہوش سے زیادہ کام کرتا ہے۔ نیز ازدواجی زندگی کا تمام بوجھ اسی کے کاندھوں پر رکھا گیا ہے۔

لہٰذا جب تک مرد طلاق نہ دے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قرآنِ پاک میں ہے: بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔[1]

شوہر ہی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

بنیادی طور پر طلاق کی تین قسمیں ہیں:

(۱) طلاقِ رجعی (۲) طلاقِ بائن (۳) طلاقِ مغلظہ

طلاقِ رجعی کی صورت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو صریح الفاظ سے ایک طلاق دے مثلاً کہے: تجھے طلاق ہے، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یا صراحۃً یہ کہے کہ: میں نے تم کو طلاقِ رجعی دی، یا کہے میں نے تم کو طلاق سنت دی،

(۱) القرآن الحکیم، الآیۃ: ۲۳۷، البقرہ: ۲، پ: ۲۔

اس کا حکم یہ ہے کہ مرد کو عدت کے اندر رجعت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور بعدِ عدت اگر اس سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی رضا سے اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔

طلاقِ بائن کی صورت یہ ہے کہ مرد الفاظِ کنائی کے ذریعے طلاق دے مثلاً کہے: تو آزاد ہے، میں نے تجھے آزاد کیا، تو میرے پاس سے نکل جا، چلی جا، یا کہے تجھے طلاق بائن دی، یا کہے تو بائن ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے اور شوہر عدت کے اندر یا بعد عدت چاہے تو اس کی رضا سے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔

طلاقِ مغلظہ کی صورت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے خواہ ایک ساتھ دے، یا الگ الگ، اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی عورت فوراً نکاح سے باہر ہوجائے گی، اور بغیر حلالہ وہ شوہرِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔ مرتب غفرلہٗ

سوال نمبر (۸۷)۔ زید نے اپنی بیوی کو محبت میں بیٹا کہہ دیا۔ بیوی کہتی ہے کہ اب میں آپ کی بیوی نہ رہی، تو کیا یہ لفظ بول دینے سے طلاق پڑ گئی یا نہیں؟

جواب: ایسا پیار و محبت میں بھی نہیں کہنا چاہیے، لیکن بھولے سے یا قصداً اگر کسی نے اپنی بیوی کو "بیٹا" کہہ دیا تو نکاح پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ خیال رکھیں، ایسا لفظ بولنا نہیں چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۸۸)۔ ایک خاتون دینی کام میں رغبت رکھتی ہیں، لیکن شوہر انھیں اس سے دور رکھتا ہے اور اجتماع میں جانے سے منع کرتا ہے اور کبھی کبھی (معاذاللہ) کفریہ جملہ بھی بول دیتا ہے تو کیا یہ عورت اس سے بے زار ہوکر طلاق لے سکتی ہے؟

جواب: اگر یہ بات سچ ہے کہ شوہر کفریہ کلام بک دیتا ہے، تو اس صورت میں پھر طلاق لینے کی کیا ضرورت۔ کفریہ بات بولنے کی وجہ سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ اور اس کی بیوی نکاح سے فوراً الگ ہوجاتی ہے۔

لہٰذا جب شوہر نے پہلی بار کلمۂ کفر بکا تھا اس کے بعد تین حیض گذر گئے تو عورت جہاں چاہتی نکاح کرسکتی تھی۔ الگ سے طلاق لینے کی کوئی حاجت نہیں۔ لیکن عورتیں عام طور سے

شریعت سے ناواقف رہتی ہیں اس لیے فیصلہ کرنا ذرا دشوار ہے کہ شوہر نے جو کلمات کہے وہ حقیقی معنوں میں کلمہ کفر ہیں یا نہیں اس لیے اگر کسی کلمے کے تعلق سے عورت سمجھتی ہے کہ یہ کلمۂ کفر ہے تو اس کو مفتی سے سمجھ لینا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۸۹)۔ زید نے اپنی بیوی کو نشے کی حالت میں طلاق دے دی ہے اور اس بات کا وہ اور اس کی بیوی اقرار بھی کر رہے ہیں۔ اس پر کچھ مولوی حضرات نے یہ راستہ نکالا کہ زید نے رات کی تنہائی میں طلاق دیا ہے اس وقت کوئی گواہ نہیں تھا لہٰذا طلاق نہ ہوئی۔ اس سلسلے میں حکم شرع کیا ہے واضح فرمائیں۔

جواب: ایسا نہیں ہے اور کوئی سنی مولوی ایسا نہیں کہے گا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زید نے جو طلاق نشے کی حالت میں دی ہے وہ پڑ گئی۔ کوئی بھی شوہر نشے کی حالت میں طلاق دے، تنہائی ہو یا مجمع، حتیٰ کہ اگر بیوی کو بھی اس کا علم نہ ہو تو بھی طلاق پڑ جائے گی، کیوں کہ طلاق دینے کا مکمل اختیار شوہر کو ہے، شوہر کے قبضے میں ہی نکاح کی گرہ ہے۔ وہ جب چاہے نکاح کی گرہ کھول دے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۹۰)۔ جب شوہر کے انتقال ہونے پر بیوی کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے اور اب بیوی شوہر کا دیدار نہیں کرسکتی۔ پھر بیوی عدت میں کیوں بیٹھتی ہے؟

جواب: شوہر کا انتقال ہونے پر بیوی کا رشتہ شوہر کے ساتھ پورے طور پر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ بیوی جب تک عدت میں ہے تب تک یک گونہ یعنی تھوڑا سا رشتہ شوہر کے ساتھ باقی رہتا ہے اسی وجہ سے اس کو عدت میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ قرآن عظیم کا حکم ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا[2]

یعنی تمھارے شوہر وفات کرجائیں تو تم کو چاہیے کہ چار مہینہ دس دن سوگ کرو۔

---

(۱) قرآن پاک میں ہے بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ البقرہ: ۲، آیت: ۲۳۷.

(۲) القرآن الحکیم، الآیۃ: ۲۳٤، البقرہ: ۲، پ: ۲.

یہ عدت حقیقت میں سوگ اور غم کے لیے ہے کہ شوہر جس کا بیوی کے اوپر بہت بڑا احسان ہے، وہ محسن اب اس کے پاس سے جاچکا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد اگر وہ عورت دوسری شادی نہیں کرتی تو وہ جنتی ہونے کی صورت میں اپنے اسی شوہر کے ساتھ جنت میں رہے گی، اس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات بھی عدت میں ایک طرح کا رشتہ باقی رہتا ہے۔

اور سوال میں جو یہ کہا گیا کہ انتقال کے بعد عورت شوہر کا دیدار نہیں کر سکتی یہ غلط ہے بلکہ عورت اپنے شوہر کا دیدار کر سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۹۱)— ایک عورت کا شوہر پانچ سال سے لاپتا ہے، اس کا کہیں بھی سراغ نہیں مل پارہا ہے اب ایسی صورت میں وہ عورت کیا کرے؟

جواب: اس مسئلے میں تفصیل درکار ہے۔ اجمالاً اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ عورت متعسر النفقہ ہے، کہ شوہر کی طرف سے اس کی خوراک و پوشاک کا کوئی انتظام نہیں ہوتا، اس نے اسے بے سہارا چھوڑ دیا ہے اور وظیفۂ زوجیت سے محرومی تو ظاہر و باہر ہے تو یہ بات تحقیق سے ثابت ہوجانے کے بعد قاضی اس کا نکاح فسخ کر سکتا ہے اور اگر وہ متعسر النفقہ نہیں ہے تو قاضی عورت کو چار سال کی مدت تک شوہر کے انتظار کا موقع دے گا۔ اگر چار سال میں شوہر آگیا تو اس کے ساتھ رہے اور اگر چار سال میں شوہر نہیں آیا تو عورت دوبارہ قاضی شریعت کے پاس استغاثہ کرے، اب قاضی تحقیق حال کر کے بعد تصدیق نکاح کو ختم کر دے گا۔ پھر بعد عدت اس عورت کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۹۲)— "طلاقُ السکران واقع" کتب فقہ میں مصرح ہے لیکن یہ مسئلہ درپیش ہے کہ اگر نشے والا کہے کہ مجھے طلاق دینا قطعاً معلوم نہیں۔ اور عورت تین طلاق کی دعویدار ہے اور دو گواہ بھی ہیں لیکن قابل قبول شرع نہیں تو اس صورت میں طلاق کا حکم ہوگا یا نہیں؟ شوہر سے حلف لیا جائے گا یا نہیں؟ جس طرح ہوش و حواس والے شخص سے انکار کی صورت میں حلف لیا جاتا ہے اگر حلف لیا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی اور الفاظ کیا ہوں گے؟ اکابرین کے فتاوے میں نشے والے کے انکار کی صورت میں کوئی فتویٰ مطالعے میں

نظر سے نہ گزر سکا۔

جواب: آپ نے جو مسئلہ دریافت کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بیوی اور گواہوں کے بیان پر شوہر کا دل جمے تو تسلیم کر لے کہ اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اور نشے والے کا یہ کہنا کہ "اسے طلاق دینا معلوم نہیں" انکار طلاق نہیں ہے اس لیے اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اس کی تفصیل مختصر یہ ہے کہ فقہا فرماتے ہیں: طلاق السکران واقع اور یہ بات ارباب علم وفہم پر عیاں ہے کہ سکران کو اپنی بات کا ہوش نہیں رہتا، نہ بولتے وقت، نہ اس کے بعد۔ وہ دراصل بے عقل و مدہوش ہوتا ہے۔ تو وقوع طلاق کے بارے میں اسے لامحالہ اصحابِ عقل و ہوش کے بیان پر اعتماد کرنا ہوگا لہٰذا بیوی اور دوسرے لوگ جو طلاق کے بارے میں بیان دے رہے ہیں اگر ان پر شوہر کو ظن غالب کی حد تک اعتماد ہو کہ وہ اس کے بدخواہ نہیں ہیں اور سچ بول رہے ہیں تو ان کے بیان پر اعتماد کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔

شوہر جب طلاق دے کر بھول جائے تو اسے اپنی تحری اور ظن غالب پر عمل کا حکم ہے۔ (دیکھیے رد المحتار، ج:۲، باب طلاق غیر المدخول بھا سے کچھ پہلے) تو یہاں بھی اسے اپنے ظن غالب پر عمل کرنا ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ بھول والے مسئلے میں ظن غالب اپنی تحری سے حاصل ہوتا ہے اور اس مسئلے میں معتمد افراد اور بیوی کے بیان سے۔ مفتی شریعت شوہر سے اپنے سامنے صحیح طور پر وضو کرا کر مسجد میں اس کے ہاتھوں میں قرآن پاک دے کر جھوٹ بولنے کے دردناک عذاب سے ڈرائیں، سچ بولنے کی ترغیب دیں اور اس سے دریافت کریں کہ بیوی اور گواہوں کے بیان پر اس کا دل مطمئن ہے یا نہیں؟ عموماً ایسے مقدس مقام اور خدا ترسی کے ماحول میں شوہر سچائی کا اعتراف کر لیتا ہے اور بیوی کے بیان کو درست تسلیم کر لیتا ہے۔ اس تقدیر پر مسئلے کا حکم ظاہر ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

لیکن اگر کبھی شوہر یہ کہہ دے کہ اسے بیوی وغیرہا کے بیان پر اطمینان نہیں ہے، ہو سکتا ہے وہ سچ بولتے ہوں، اور ہو سکتا ہے جھوٹے ہوں تو اس سے اس کی وجہ دریافت کی جائے گی، پھر وجہ پر غور ہوگا کہ وہ معقول ہے یا نہیں، مثلاً بیوی پہلے ہی سے اس سے بیزار ہو، اس سے

طلاق چاہتی ہو تو شک کی وجہ معقول ہوگی۔ اور بہر حال جب بیوی تین طلاق کا دعویٰ کر چکی تو اب شوہر سے کہیں گے کہ ایک طلاق بائن دے کر اسے آزاد کرے۔ بس یہی ایک حل کی راہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) نشے والے کا یہ کہنا: "مجھے طلاق دینا قطعاً معلوم نہیں" انکار طلاق نہیں، بلکہ "علم طلاق" کی نفی ہے، بلفظ دیگر عدم علم کا اعتراف ہے، اسے "انکار" نہیں کہتے۔ جو شخص اس بات کا اہل ہو کہ اسے طلاق دینا، نہ دینا یاد رہ سکے اور کہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی تو اسے "انکار" کہیں گے اور جس کے اندر یاد ہونے کی اہلیت ہی نہیں ہے وہ اگر طلاق نہ دینے کی بات کہے تو بھی یہ انکار نہ ہونا چاہیے کہ وہ جو کچھ جانتا ہے اسی کا اظہار کر رہا ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ اسے طلاق دینا معلوم نہیں تو یہ بدرجہ اولیٰ انکار طلاق نہیں کہ جو ہوش میں نہیں اسے کیا معلوم کہ اس نے طلاق دی یا نہیں، یہاں اس کا ظاہر حال اس کے قول کا شاہد ہے اس لیے نشے والے کا وہ جملہ نہ انکار طلاق ہے، نہ اس پر کوئی قسم۔ ھٰذا کلہ ما ظہر علی العبد الضعیف والعلم بالحق عند اللہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

ضروری وضاحت:

طلاق دینے پر شرعی گواہ ہوں تب تو حکم اسی پر مبنی ہوگا کہ یہ حجت کاملہ ہے اور اقرار ہو تو وہ شوہر ہوش میں مانا جائے گا، نہ کہ مدہوش۔ آپ نے جو صورت لکھی ہے اس میں نہ اقرار ہے، نہ شرعی گواہ۔ تو اس کی بنیاد شوہر کے ظن غالب پر ہوگی جیسا کہ نسیان طلاق کے مسئلے میں ہے، جب یہ بھی نہ ہو تو عورت کی گلو خلاصی کے لیے حل کی وہ راہ اپنائی جائے گی جو جواب نمبر ایک کے اخیر میں مذکور ہے۔ تو اس مسئلے میں ثبوت طلاق کے بالترتیب تین درجے ہیں اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ یعنی بینہ، پھر اقرار، پھر ظن غالب۔ اور جب ان میں سے کوئی ثبوت نہ ہو تب حکم ہوگا کہ عورت شوہر سے بھاگے، بچے اسے اپنے اوپر ہرگز قابو نہ دے اور شوہر کو صلاح دی جائے گی کہ اسے طلاق بائن دے کر آزاد کر دے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ عورت پہلے سے طلاق کی طالب اور شوہر سے بیزار نہ ہو اور شوہر

کی نگاہ میں وہ سچی و معتمد ہو جس سے اس کے بیان کی صداقت کا ظن غالب حاصل ہو تو عورت کے بیان پر اعتماد ہوگا مگر یہ حکم تنہا عورت کے بیان پر نہیں ہے، بلکہ معتمد عورت کے بیان سے ظن غالب حاصل ہونے پر ہے۔ آپ غور کریں گے تو کتب فقہ میں اس کی مزید نظیر مل جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۹۳)۔ حضور میرا سوال یہ ہے کہ لڑکی کو لڑکے نے طلاق دی ہے اس وقت جب طلاق دے چکا تو لڑکا کہتا ہے کہ میں نے ۲ر طلاق دی ہے جب کہ لڑکی کہتی ہے کہ تم نے تین طلاق دی ہے مفتی صاحب کیا طلاق ہوگئی؟

جواب: شوہر کے اقرار کے مطابق اس کی بیوی پر دو طلاقیں ضرور واقع ہوگئیں۔ لیکن عورت جب تین طلاق کا دعویٰ کرتی ہے تو اسے مرد کے ساتھ رہنا حلال نہیں وہ عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر لے اور مرد رجعت نہ کرے حل کی راہ یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۹)

کتاب البیوع

(خرید وفروخت کے مسائل)

بیع کالغوی معنیٰ خریدنااور بیچنا ہے۔اور اصطلاح شرع میں بیع کے معنی ہیں: دو شخصوں کا باہم اپنے مال کا دوسرے کے مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔

بیع کبھی قول سے ہوتی ہے اور کبھی فعل سے، اگر قول سے ہوتو اس کے ارکان ایجاب وقبول ہیں، اور فعل سے ہوتو چیز کا لے لینااور دے دینااس کے ارکان ہیں اور یہ فعل ایجاب وقبول کے قائم مقام ہے۔

شرائط بیع:

(۱) بائع ومشتری کا عاقل ہونا۔یعنی پاگل اور مجنون یابالکل ناسمجھ بچہ کی بیع صحیح نہیں ہے۔
(۲) عاقد کا متعدد ہونا یعنی ایک ہی شخص بائع ومشتری نہیں ہوسکتا۔
(۳) ایجاب وقبول میں موافقت ہونا یعنی جس چیز کا ایجاب ہے اسی کا قبول ہو۔
(۴) ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں ہونا۔
(۵) ہرایک کا ایک دوسرے کے کلام کو سننا۔
(۶) مبیع کا موجود ہونا، مال متقوم ہونا، مملوک ہونا، مقدور التسلیم ہوناضروری ہے۔جو چیز موجود ہی نہ ہو بلکہ اس کے موجود ہونے کا شبہ ہو اس کی بیع جائز نہیں۔ مثلاً تھن کا دودھ کہ اس کی بیع ناجائز ہے۔
(۷) بیع موقت نہ ہو اگر موقت ہے مثلاً اتنے دنوں کے لیے بیچا تو یہ بیع صحیح نہیں ہے۔
(۸) مبیع وثمن دونوں اس طرح معلوم ہوں کہ نزاع پیدانہ ہو۔(مرتب غفرلہٗ)

سوال نمبر(۹۴)۔ کیاانسانی خون کی خرید وفروخت جائز ہے؟یعنی انسان کو اپنا خون بیچنااور دوسرے انسان کا اس خون کو خریدنا حرام ہے یاحلال؟

جواب: انسانی خون توبہت ہی اہم اور قیمتی چیز ہے، جس پر انسانی حیات قائم ہے۔اس کی ناقدری اور خرید وفروخت حرام ہے۔یہاں تک کہ انسان کے دوسرے اجزا جو خون سے کم اہم ہیں ان کی ناقدری اور خرید وفروخت بھی حرام ہے۔انسان کے سارے اجزا معظم ومکرم اور قابل تعظیم ہیں۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ. [1] یعنی ہم نے ابن آدم کو معظم ومکرم بنایا۔

انسان کاایک،ایک عضو قابل تکریم ہے یہاں تک کہ فقہافرماتے ہیں کہ اگر عورت اپنا دودھ نکال کر دوسرے بچے کے لیے بیچے، خواہ وہ باندی ہی کیوں نہ ہو توبھی یہ ناجائز ہے۔اسی طرح کوئی عورت کسی عورت سے بال خرید کر اپنے بالوں میں لگائے تو یہ بھی حرام ہے، جو پہلے کی عورتیں ایساکرتی تھیں۔وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان کے بال اور اس کے دودھ کی توہین ہے۔

اسی طرح انسان کے خون کو بیچا نہیں جاسکتا،اس کا بیچنااور خریدناناجائز وگناہ ہے۔

لیکن کبھی ایساہوتا ہے کہ کسی کا اکسیڈنٹ ہوگیا یاکسی اور وجہ سے اس کا خون اتناکم ہوگیا کہ اس کی جان بغیر انسانی خون چڑھائے بچائی نہیں جاسکتی توانسان کی جان بچانے کے لیے کسی انسان کا خون دینااور دوسرے انسان کے بدن میں چڑھانا بھی جائز ہے۔وجہ ظاہر ہے کہ جان بچانی فرض ہے۔یہ ایسا ہی ہے کہ کسی کی جان جارہی ہو اور سامنے جان بچانے کے لیے شراب یامردار ہے اور یہ جانتا ہے کہ شراب کے دو گھونٹ پی لے گا، یامردار سے دو چار بوٹی کھالے گا تو جان بچ جائے گی توبقدر ضرورت شراب سے پی لینااور مردار سے کھالینا حلال ہے یہاں تک کہ خنزیر کا گوشت ہو توبھی کھالینا حلال ہے تاکہ اس کی جان بچ جائے یہ قرآن پاک سے ثابت ہے۔[2]

---

(۱) القران الحکیم، الأیۃ: ۷۰، الاسراء: ۱۷، پ: ۱۵.
(۲) قرآنِ پاک میں ہے:

اسی طرح انسان کی جان بچانے کے لیے انسان کا خون دینا جائز ہے اور اس کا خون لینا بھی جائز ہے مگر بیچنا ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی آدمی کو انسانی خون پیسہ دیے بغیر نہ ملے تو اس صورت میں مجبوری ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے خریدے مگر خون بیچنے والے کے لیے اب بھی جائز نہیں۔ انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی کی جان جا رہی ہو تو آپ اس کو خون دے دیں اور اس کی جان بچائیں، بیچیں نہیں۔ اگر بیچیں گے تو جس کو جان بچانی ہے اس کو تو دام دے کر خریدنا جائز ہوگا، لیکن بیچنا بہر حال ناجائز اور گناہ ہے۔ خون کے مختلف گروپ ہوتے ہیں، پھر کوئی خون چڑھانے کے قابل ہوتا ہے اور کوئی اس کے قابل نہیں ہوتا اور وقتِ ضرورت کسی مریض کو اس کے گروپ کا صالح خون فوراً ملنا مشکل ہوتا ہے اس لیے بڑے اسپتالوں میں مختلف گروپ کے صالح خون جمع کر کے محفوظ رکھتے ہیں وہ خون کے حاصل کرنے پھر محفوظ رکھنے میں وقت اور دوائیں، وغیرہ استعمال کرتے ہیں وہ ان کا مناسب معاوضہ لے سکتے ہیں کہ اس کے بغیر بروقت صالح خون کی فراہمی مشکل ہے اور اپنے کام کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ مگر ایسا نہ ہو کہ انسانی خون کی تجارت و کاروبار شروع کر دیں کہ تجارت مال کی ہوتی ہے اور خون مال نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۹۵)- کیا حکم ہے شریعت کا اس بارے میں کہ جو لوگ فیشن شوز میں ماڈلنگ کرتے ہیں، کپڑے وغیرہ یا دیگر کمپنیوں کے لیے ماڈلنگ کرنے کے لیے پرموڈ کرتے ہیں، اس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شریک ہوتے ہیں ان کا اس طرح شریک ہونا یعنی ماڈل بننا اور لوگوں کو اپنی چال ڈھال اور لباس سے راغب کرنا کیسا ہے؟

جواب: ● لڑکیوں کا ماڈل بننا اور بنانا اور ان کو ذریعہ بنا کر سامان بیچنا اور اس کو فروغ دینا تو سراسر حرام و گناہ ہے۔

● رہ گیا لڑکوں کو اس کام کے لیے استعمال کرنا تو اگر اس میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا جو شریعت کے خلاف ہو، بس ان کو مخصوص قسم کا لباس پہنا کر ان کے ذریعہ

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ. (الآیۃ: ۱۷۳، البقرہ: ۲، پ: ۲)

اشتہار کرایا جاتا ہے تاکہ لوگ اس طرف راغب ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

● اور اگر انہیں ایسا کوئی لباس پہنایا جاتا ہے جو شریعتِ طاہرہ کے خلاف ہو جیسے ہاف پینٹ، چڈی وغیرہ تو اس کی نمائش لڑکوں کے ذریعہ بھی حرام ہے۔

● یا لڑکے اور لڑکی کے اختلاط کے ساتھ نمائش کرائی جاتی ہے، یا لڑکے کو ایسا لباس پہنا کر اس سے کوئی مخصوص حرکت کرائی جاتی ہے جس سے لڑکیاں اس کی طرف راغب ہوں، یا کوئی لڑکی اس کی طرف مائل ہوتی ہے، یا اس طرح کی کوئی بھی نمائش و اشتہار ہو تو وہ ناجائز و گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۹۶)- کسی کو خون دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس میں مسلمان ہونے کی قید ہے؟

جواب: ایسی کوئی قید نہیں ہے، جان بچانے کے لیے بلا عوض خون دینا اور حاجت مند کو خون لینا دونوں جائز ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں کہ جان بچانے کے لیے خون دینا، لینا باب علاج سے ہے اور علاج سب کا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۹۷)- کیا شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو خون دے سکتے ہیں؟ اور کیا بلڈ بینک سے خون لیا جا سکتا ہے؟

جواب: ہاں دے سکتے ہیں شوہر کے بدن میں بیوی کا خون اور بیوی کے بدن میں شوہر کا خون چڑھانا جائز ہے اس کی وجہ سے دونوں کے درمیان کوئی حرمت نہیں پیدا ہوگی، دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال رہیں گے۔ بلڈ بینک سے خون لیا جا سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال نمبر (۹۸)- کسی کو بزنس کرنے کے لیے آٹو رکشہ لینا ہو تو کیا وہ لون لے سکتا ہے؟

جواب: ہر چیز کا ایک ہی حکم ہے، چاہے رکشہ ہو یا ٹیکسی، حکم یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اصل میں بینک کو جو انٹرسٹ دیتا ہے اگر اس سے کئی گنا زیادہ اس کے ذریعے کما لیتا ہے تو اس کے لیے حکومت کے منظور شدہ بینکوں سے لون لینا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ناجائز تو اس

وقت ہوگا جب الگ سے اس کو فاضل رقم انٹریسٹ کے نام پر دینی ہو اور اس کے مقابل یہ فائدہ ہو۔ لیکن اگر اس کے مقابل اتنا ہی یا اس سے زیادہ فائدہ ہو تو جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۹۹)۔ کبھی کبھی دوستوں میں تفریح کے طور پر لین دین کا معاملہ آجاتا ہے میں نے دیکھا ہے کہ دو چار دوست آپس میں تفریح کرتے ہیں اسی درمیان کسی نے مذاق کے طور پر کہا تو یہ پانچ سو روپے، یا پچاس روپے مجھے دیدے اور وہ دے بھی دیتا ہے۔ مگر یہ مذاق میں ہوتا ہے بعد میں دینے والا وصول کرلیتا ہے اور لینے والا چوں کہ یہ جانتا ہے کہ یہ اسی کا روپیہ ہے اس لیے اس کو دے دیتا ہے۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: تفریح میں دینا یا مذاق میں ہبہ کرنا حقیقت میں ہبہ ہے اگر کسی نے دوسرے کو مذاق یا تفریح میں کچھ ہبہ کردیا اور دوسرے نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اب اس کا مال ہوگیا اب اگر اس سے لیں گے تو یہ لینا جائز نہ ہوگا اگر چہ اس نے لاعلمی کی وجہ سے دے دیا اور آپ نے لے لیا اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے اور اس کے فرشتے تو جانتے ہیں، دونوں کا یہ عمل فرشتوں کے رجسٹر میں لکھ دیا جاتا ہے، جب قیامت کے دن اپنا اپنا نامہ اعمال پڑھیں گے تو اس میں لکھا ہوگا کہ یہ تمھاری ملک ہے اس لیے وہ اس کا مطالبہ کرے گا اور اس وقت آپ کے پاس پیسہ نہیں ہوگا تو آپ کی نیکیاں اس کو دے دی جائیں گی، اور اگر آپ کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کا گناہ آپ کے سر لاد دیا جائے گا، یہ کتنی سخت اور دل دہلا دینے والی بات ہے کہ قیامت کے دن جب نیکیوں کی زیادہ ضرورت ہوگی وہ دوسروں کو دے دی جائیں گی، یا پھر دوسرے کے گناہ اپنے سر ڈال دیے جائیں گے، اللہ کی پناہ، اس لیے ہرگز ہرگز دوسرے کا مال نہیں دبانا چاہیے اور اگر آپ کسی کو دینا چاہتے ہیں تو حقیقت میں دیں، اچھی نیت سے دیں اور اگر نہیں دینا چاہتے ہیں تو تفریح اور ہنسی مذاق میں بھی ہرگز نہ دیں اور اگر تفریح یا ہنسی مذاق میں کسی کو دے چکے ہوں تو خدارا ہرگز ہرگز اس کو واپس نہ لیں اور واپس لے چکے ہوں تو معاف کرا لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۰)۔ بسّی کی بیع جائز ہے یا نہیں۔ اس کی نوعیت یہ ہے کہ ایک لاکھ کی بسی ہے مذکورہ رقم وصول کرکے ٹیبل پر رکھ دی جاتی ہے اور جو اس کے ممبران ہیں وہ بولی

لگاتے ہیں۔ جیسے ہزار روپے سے شروع ہوکر پچاس، اکیاون ہزار پر جاکر بولی ختم ہوتی ہے، آخری بولی والے کو انچاس یا پچاس ہزار ہی ملتے ہیں اور پچاس یا اکیاون ہزار، روپے کا اسے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اور یہ بقیہ رقم ممبران میں بطورِ نفع تقسیم ہوتی ہے۔ ایسی رقم کو مسجد و مدرسہ اور دیگر دینی کاموں میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: بسّی کا یہ معاملہ بیع یا خرید و فروخت نہیں۔ بلکہ دراصل قرض کا لین دین ہے جس پر سود کی لمبی رقم قرض دینے کے ساتھ ہی وصول کرلی جاتی ہے۔ بسّی کے ایک لاکھ روپے میں سے جو شخص مثلاً پچاس ہزار روپے وصول کرتا ہے وہ دراصل بسی کے شرکا سے قرض لیتا ہے اور باقی پچاس ہزار روپے جو تمام شرکا آپس میں بانٹ لیتے ہیں وہ سود ہے۔ بنیا جب قرض وصول کرتا ہے تب سود لیتا ہے اور یہ ہمدرد مہربان لوگ قرض دینے سے پہلے ہی سود وصول کرلیتے ہیں۔ بنیا دس پرسینٹ سود لیتا ہے اور یہ ہمدرد حضرات پچاس پرسینٹ۔ بسّی لینے والے کو پچاس یا اکیاون ہزار روپے کا جو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور دوسرے لوگ اسے بانٹ لیتے ہیں وہ بلا شبہہ، قطعاً، یقیناً سود ہے اور سود حرام قطعی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ [1] اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔

ایسے فاضل مال کو لینا، دینا، اپنے استعمال میں لانا، یا دینی و دنیاوی کاموں میں استعمال کرنا حرام قطعی و گناہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا اس سے بچیں، اور بسّی کے دھندے کو مکمل بند کردیں۔ چالیس، پچاس ہزار روپے تو بہت ہیں اگر کوئی چالیس پیسے اس طور پر لے گا تو گنہگار و مستحق عذابِ نار ہوگا۔

حدیثِ پاک میں ہے: سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی:

لعن رسول الله أكل الربا و موكله. [2]

---

(1) القرآن الحکیم، الآیۃ: ۲۷۵، البقرہ: ۲، پ: ۳.

(2) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی اکل الربا، ص: ۴۷۳.

رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی۔

اس حدیث پاک کو سامنے رکھیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ سود لینا کیسا ہے۔ یہ فعل حرام قطعی اور گناہِ کبیرہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۱)- فکس ڈیپوزٹ اور لائف انشورنس کرانا جائز ہے؟

جواب: فکس ڈیپوزیٹ جائز ہے، اور اس پر جو نفع ملے گا اس نفع کو لینا بھی جائز ہے، اس کو دینی دنیوی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں اور اپنے کاموں میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر علما فرماتے ہیں کہ افضل و بہتر یہ ہے کہ جو نفع ملے اسے غریبوں میں، دینی کاموں میں یا تبلیغی اداروں میں خرچ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۲)- فسادات کے ڈر سے جان، دکان و مکان اور سامانوں کا انشورنس کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: یہاں دو چیزیں ہیں: (۱) لائف انشورنس۔ (۲) جنرل انشورنس۔

لائف انشورنس: (L.I.C.) یہ کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی ناجائز۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس کے نام سے انشورنس ہو رہا ہے اس کو اپنی موجودہ آمدنی اور دولت پر پورا اعتماد ہو کہ وہ کم از کم تین سالوں کی پوری قسطیں ادا کر دے گا، اس کی ایک قسط بھی ناغہ نہ ہوگی تو ایسے شخص کو لائف انشورنس کرانا جائز ہے۔ اور اگر کسی کو قرائن کی بنا پر شبہہ ہو کہ اس کی مالی حالت خراب ہو سکتی ہے اور اس کی ایک قسط بھی ناغہ ہو سکتی ہے تو ایسے شخص کو لائف انشورنس کرانا ناجائز ہے۔

"تین سال" کی قید اس لیے ہے کہ لائف انشورنس کمپنی کا قانون یہ ہے کہ تین سال تک کی سب قسطیں جمع ہونا ضروری ہے، ایک قسط بھی ناغہ ہو گئی تو جمع شدہ سارا مال کمپنی ضبط کر لے گی۔ لیکن اگر کبھی یہ قانون بدل کر سہ سال کے بجائے ایک سال یا کم و بیش ہو جائے تو جواز کا حکم ایک سال یا کم و بیش سے مشروط ہوگا۔ اور اگر فرض کیجیے کبھی یہ قانون ہی ختم کر دیا جائے تو پھر سرے سے یہ شرط ہی نہ رہے گی۔

جنرل انشورنس: (General Insurence) کرانا ناجائز ہے، مگر جن علاقوں

میں فسادات وغیرہ زیادہ ہوتے ہیں، وہاں پر دکان و مکان اور سامانوں کا انشورنس کرا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۳)- شیئر بازار میں پیسہ جمع کرنا کیسا ہے؟

جواب: اس بارے میں اجمالی حکم یہ ہے کہ شیئر بازار میں حصہ لینا اور اس میں روپے جمع کرنا ناجائز و گناہ ہے۔ اس میں کچھ صورتیں جائز ہوتی ہیں، اور وہ "ایکویٹی شیئرز" ہیں جنھیں اردو زبان میں "مساواتی حصص" کہا جاتا ہے مگر ان کے ساتھ ناجائز و سودی کاروبار یعنی "پریفرینس شیئرز" یا "ترجیحی حصص" کو اس طرح لازم کر دیا گیا ہے کہ "پریفرینس شیئرز" کا سود ادا کیے بغیر ایکویٹی شیئرز کا نفع تقسیم ہی نہیں ہوتا اور سب کو شیئر کی سود کاری میں لازماً ملوث ہونا پڑتا ہے اس لیے شیئر بازار میں حصہ لینا ناجائز و گناہ ہے۔ لہٰذا شیئر بازار سے مسلمان بچیں۔ یہ ہندوستان میں شیئر بازار کا قانون ہے اور جس ملک میں اس کے یہ قوانین جاری ہوں وہاں بھی یہی حکم ہے۔[۱] واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۴)- میں ایک چارٹرا کاؤنٹنٹ ہوں، کیا میں بینک میں کام کر سکتا ہوں؟

جواب: آپ بینک میں کام کر سکتے ہیں، لیکن اس میں سودی کاروبار سے بچیں۔ جہاں اس طرح کا کام آئے آپ اسے اپنے ہاتھوں ہرگز نہ کریں۔ باقی کام آپ کر سکتے ہیں اور اس کی تنخواہ بھی آپ لے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۵)- روم یا گھر کی دلالی یعنی کمیشن پر کام کر سکتے ہیں؟

جواب: اگر دونوں فریق یعنی لینے والے اور دینے والے یہ جانتے ہیں کہ جو آدمی بیچ میں کام کر رہا ہے وہ کمیشن لیتا ہے، اور کمیشن کی مقدار بھی معلوم و متعین ہو تو ایسی صورت میں یہ معاملہ جائز و درست ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دلال کچھ خرچ بھی کرے، اپنا کچھ وقت صرف کرے، کچھ دوڑ دھوپ کرے۔ اگر کوئی گھر بیٹھے فریقین سے ٹیلی فون یا موبائل کے ذریعہ رابطہ کر کے معاملہ طے کرا دے تو وہ بھی اجرت کا حق دار ہے کہ اس نے اس کے لیے وقت بھی

(۱) تفصیلی معلومات کے لیے حضرت سراج الفقہا کی کتاب "شیئر بازار کے مسائل" کا مطالعہ کریں۔

صرف کیا اور موبائل وغیرہ سے رابطہ کر کے کچھ مال بھی خرچ کیا۔ اور اگر وہ صرف مشورے دے تو اس کا پیسہ نہیں لے سکتا کہ یہ دلالی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۶)- میں نے ایک فلیٹ خریدا، لیکن اس وقت میرے ذہن میں کوئی یقینی بات نہیں تھی کہ میں اس میں رہوں گا، یا کرایہ پر دوں گا، لیکن میں نے اب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اسے کرایہ پر دوں گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پر جو زکات آئے گی وہ فلیٹ کی قیمت پر ہوگی یا کرائے کی آمدنی پر؟

جواب: فلیٹ کی قیمت پر کوئی زکات نہیں، جب اس کو کرایہ پر دینے کی نیت کر لی ہے اور بیچنے کا ارادہ نہیں ہے، تو فلیٹ سے کرائے کے طور پر جو آمدنی آئے گی اس پر سال بسال زکات دینا فرض ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۷)- ہندوستان میں مسلمانوں کے جو پرائیویٹ بینک ہیں ان سے جو فائدہ ملتا ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ ناجائز ہے، اگر صورت یہ ہے کہ اس نے بینک کو روپیہ دیا اس لیے بینک نے نفع دیا تو یہ ناجائز ہے۔ لیکن اگر وہ اس روپے سے کاروبار کریں اور یہ کہیں کہ ہم نے آپ کے روپے شرکت کے طور پر کاروبار میں لگا دیے ہیں اور نفع میں چار فیصد یا کم و بیش آپ کی شرکت ہوگی اور نقصان میں آپ کے مال کے تناسب سے شرکت رہے گی تو اب اس میں جو بھی نفع ہوگا اس میں دونوں طے شدہ فیصد کے لحاظ سے شریک رہیں گے۔ اور نقصان کی صورت میں اپنے اپنے مال کے تناسب سے شریک رہیں گے۔ لیکن آج کل بینکوں کا جو سسٹم ہے اگر اس طور سے نفع دیتے ہیں تو یہ ناجائز و حرام ہے کہ یہ سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۰۸)- ہندوستان کے گورنمنٹی بینکوں اور مسلم ممالک کے گورنمنٹی بینکوں سے جو منافع ملتے ہیں ان کا لینا اور استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: ہندوستان کے گورنمنٹی بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو منافع ملتے ہیں، وہ مباح ہیں خواہ سیونگ اکاؤنٹ میں جمع ہوں یا کرنٹ اکاؤنٹ میں، فکس ڈیپوزٹ یا آر، ڈی میں، نفع تھوڑا ہو یا زیادہ، کسی صورت میں یہ سود نہیں، بلکہ یہ جائز و حلال ہے، اسے لے سکتے

ہیں اور اپنے کاروبار میں بھی لگا سکتے ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے لے کر رفاہی کاموں مثلاً مدرسے، مساجد، تبلیغی کاموں اور غربا و مساکین- میں خرچ کرے۔

رہ گیا وہ نفع جو مسلم ممالک کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر ملتا ہے وہ سود ہے اسے لینا ناجائز و حرام ہے مگر یہ کہ وہ نفع عقدِ شرکت یا عقدِ مضاربت کا ہو۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) اس کی مزید تفصیل کے لیے حضرت سراج الفقہا کی کتاب "جدید بینک کاری اور اسلام" کا مطالعہ کریں۔

(۱۰)

کتاب الذبائح

(ذبح کے مسائل)

اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے اس نے جتنے بھی احکام بندوں پر عائد کیے ہیں ان میں بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، بندوں کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، یوں ہی جانوروں کے گوشت کا معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی جانوروں کا گوشت ہمارے لیے حلال کیا ہے جو صحت انسانی کے لیے مفید ہے، اور جن جانوروں کا گوشت صحت کے لیے مضر ہے ان کا گوشت حرام قرار دیا۔ اسی طرح حلال جانوروں اگر طبعی طور پر مرجائے تو خون رگوں اور شریانوں میں جم جاتا ہے، جس کی وجہ سے جسم میں فاسد مادہ پیدا ہو جانے کے باعث وہ مضرِ صحت ہو جاتا ہے لہٰذا انہیں جانوروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ رگوں کا سارا خون نکل جائے اور گوشت پاک صاف ہو جائے۔ پھر نماز، روزہ، حج، زکات اور دیگر عبادات و معاملات کی طرح ذبح کا بھی ایک باقاعدہ شرعی نظم قائم کر دیا گیا تاکہ ذبح کے عمل میں بھی دنیا کے تمام مسلمانوں میں وحدت اور یگانگت پیدا ہو جائے اور وہ جہاں کہیں بھی بستے ہوں ایک ہی مخصوص طریقے پر جانور کو ذبح کریں۔ مرتب غفرلہٗ

سوال نمبر (۱۰۹)- مردار کھانا اسلام میں حرام ہے جب کہ مچھلی ہم مری ہوئی کھاتے ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: مری ہوئی مچھلی کیوں حلال ہے یہ تو اللہ جانے اور اللہ کے رسول جانیں، ہمارے لیے تو حدیث پاک حجت ہے۔ مدنی آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أحلت لنا ميتتان السمك والجراد.(۱)

ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی، لہٰذا حضور ﷺ نے جو فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ دیگر جانور جنھیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کے اندر بہتا ہوا خون پایا جاتا ہے اور بہتے ہوئے خون میں یورک ایسڈ یعنی تیزابی مادہ پایا جاتا ہے، اس کو کھانے سے تیزابی کیفیت پیدا ہوگی جس سے بیماریاں پیدا ہوں گی اور جسم کے جوڑوں میں درد ہوگا۔ اس لیے حکم ہے کہ ان کو ذبح کر کے خون بہا دیا جائے اور مچھلی میں ایسا کوئی خون پایا نہیں جاتا جس میں یورک ایسڈ ہو یا تیزابی کیفیت ہو جو نقصان دہ ہو۔ اس لیے مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہی حال ٹڈی کا بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۱۰)- مارکیٹ میں مرغی ذبح کر کے فوراً پانی میں ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا پر آسانی کے ساتھ نکل جاتا ہے اور پھر لوگ چمڑے کے ساتھ اس کا گوشت کھا جاتے ہیں، اس بارے میں حکم شرع کیا ہے؟

جواب: مرغ کو ذبح کرنے کے بعد عام طور پر جو یہ طریقہ پایا جاتا ہے کہ اسے کھولتے پانی میں ڈال دیا جاتا ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ شرعی حکم کا احترام کرتے ہوئے یہ طریقہ اپنانا چاہیے کہ گرم پانی میں ڈالنے سے پہلے پیٹ چاک کر کے غلاظت وغیرہ نکال دیں اور بدن پر لگی نجاست صاف کر دیں اور محلِ ذبح پر جو خون لگا ہوا ہے اسے دھو کر گرم پانی میں ڈالیں اور تھوڑی دیر بعد نکال کر پر صاف کر دیں، تو اس کو کھال کے ساتھ کھانا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی کراہت اور قباحت نہیں۔ ہاں بغیر نجاست دور کیے اور خون صاف کیے اس کو پانی میں ڈال دیا تو اب اس مرغ کا سارا بدن اوپر سے ناپاک ہو جاتا ہے، اس وجہ سے اسے بغیر دھوئے کھال کے ساتھ کھانا ناجائز ہے کہ یہ ناپاک کھال کو کھانا ہوگا۔ بلکہ جب کھال ناپاک ہے تو اس کی وجہ سے شوربا، پھر گوشت بھی ناپاک ہوگا کہ ناپاک پانی گوشت کے اندر سرایت کر جائے

(۱) سنن ابن ماجہ، ص: ۲۳۲، فیصل پبلیشر.

گا۔ہاں اگر پہلے تین بار دھو کر پاک کر لیں پھر پکائیں تو کھال کے ساتھ بھی کھانا حلال ہوگا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۱۱)۔ بال جلس دینے کے بعد بکری کا پایا چمڑے کے ساتھ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔حلال جانور جب ذبح ہوگیا اور اس کا خون بہادیا گیا تو اس کا پورا بدن پاک ہوگیا۔یعنی اس کا گوشت بھی پاک ہوگیا اور کھال بھی پاک ہوگئی،اب خبیث چیزوں مثلاً آلہ تناسل، مثانہ وغیرہ کے علاوہ باقی گوشت پوست حلال ہے۔لہٰذا گوڑی کو بال جلس دینے کے بعد کھانا جائز و درست ہے اس میں کوئی کراہت وقباحت نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۱۲)۔ جھینگا کھانا کیسا ہے؟

جواب: جھینگا مچھلی ہے یا نہیں اس بارے میں پرانے زمانے سے حکیموں کے درمیان اختلاف ہے۔کچھ لوگوں کی تحقیق ہے کہ وہ مچھلی ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ مچھلی نہیں ہے۔اب اس اختلاف کے سبب علما اور فقہا کہتے ہیں کہ جب اس کے مچھلی ہونے میں شبہہ ہوگیا تو اس سے بچنا چاہیے۔دریائی جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے اور باقی جانور حرام ہیں۔اب اگر جھینگا واقع میں مچھلی ہے مگر کچھ اطبا کے اختلاف کی وجہ سے اس میں شبہہ پیدا ہوگیا اس لیے اس سے بچنا بہتر ہے۔اگر کوئی کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے،اس کو حرام نہیں کہا جائے گا، ہاں یہ مکروہِ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۱۳)۔ باسی مچھلی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مچھلی کوئی بھی ہو اس کو کھانا جائز ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے دو مردے حلال کیے گئے: مچھلی اور ٹڈی۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۱۴)۔ اگر حلال جانور کا گوشت کسی غیر مسلم سے منگایا یا پکوایا تو اس کا کھانا

(۱) حدیث پاک میں ہے:
"أحلت لنا ميتتان السمك والجراد" سنن ابن ماجه، ص: ۲۳۲، فیصل پبلیشرز۔

کیسا ہے؟

جواب: غیر مسلم کا لایا ہوا اور پکایا ہوا گوشت کھانا جائز نہیں۔گوشت کے بارے میں اسلام نے بڑی احتیاط کا حکم دیا ہے گوشت وہی حلال ہے جو مسلمان کا ذبیحہ ہو اور مسلمان ہی کا لایا ہوا ہو اور اسی کا پکایا ہوا ہو۔ہاں غیر مسلم نوکر جو وفادار، قابلِ اعتماد ہو وہ بتائے کہ مسلم گوشت فروش کے یہاں سے خرید کر لایا ہے تو وہ حلال ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۱۵)۔ افریقہ کے علاقہ میں جب بڑے جانور ذبح کرتے ہیں تو وہاں لوکل لوگ (بلیک پاپولیشن) پہلے اس کو شوٹ کرتے ہیں،گولی مارتے ہیں، جس سے وہ گر جاتا ہے، ناتواں اور کمزور ہو جاتا ہے اور بے ہوش بھی ہو جاتا ہے، ایسے جانور کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: ایسا کرنا ناجائز اور باعث گناہ ہے،کیوں کہ یہ بلا وجہ جانور کو زیادہ تکلیف پہنچانا ہے۔فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم کرنا مسلم ریاست کے غیر مسلم پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت ہے۔اور ایسے غیر مسلم پر ظلم کرنا مسلم پر ظلم کرنے سے بڑھ کر ہے، تو یہ بہت بھیانک ظلم ہے اگر کوئی مسلمان ایسا کرتا ہے تو وہ اس سے مجمع مسلمین میں توبہ کرے اور آئندہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرے۔ رہ گئی یہ بات کہ جانور حلال ہے یا نہیں؟ تو عرض ہے کہ اگر شوٹ کرنے کے بعد وہ جانور زندہ رہا اور صرف بے ہوش ہوا، مرا نہیں اور ایسے وقت میں کسی مسلمان نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کر دیا تو وہ ذبیحہ حلال ہے اور اس کا گوشت پاک وحلال ہے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۱۶)۔ شرابی کا ذبیحہ کیسا ہے۔جب کہ اکثر قصاب شرابی ہوتے ہیں۔جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شراب پینا سخت حرام وگناہ ہے لیکن جو مسلمان ہوتا ہے وہ بہر حال بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر جانور ذبح کرتا ہے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو اور بسم اللہ شریف پڑھ کر ذبح کرے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ بہت نیک اور پابندِ شریعت ہو، لہٰذا اس کا ذبیحہ درست اور کھانا حلال ہے۔پھر یہاں یہ خیال رہے کہ اکثر قصاب شرابی نہیں ہوتے اس لیے بلا تحقیق ایسے گناہِ کبیرہ کی نسبت کسی برادری کی طرف درست

نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر(۱۱۷)- کیاکسی مجبوری میں انسان کا گوشت کھانا جائز ہے؟ اور بکرے کے گوشت کو پوست کے ساتھ کھاناکیسا ہے؟

جواب: آدمی کا گوشت کھانا سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، آدمی نہ اپنا گوشت کھاسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو کھلاسکتا ہے، یہاں تک کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ کسی آدمی کی بھوک کی وجہ سے جان جارہی ہو اور وہ جانتا ہے کہ اپنے بدن سے ہی ہم نے ایک یا دو بوٹی کھاؤ تو ہماری جان بچ جائے گی تو بھی شریعت کا یہی حکم ہے کہ خود اپنی جان بچانے کے لیے بھی ایسے مجبور اور بھوکے آدمی کو اپنے بدن سے گوشت کاٹ کر کھانے کی اجازت نہیں۔ جب جان بچانے کے لیے سخت مجبوری اور بھوک کے عالم میں اپنے بدن سے گوشت کھانے کی اجازت نہیں تو پھر دوسرے کے بدن کے گوشت کو کھاناکیسے جائز ہوگا۔ یہ سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

رہ گیا مسئلہ بکرے کی کھال کھانے کا تو عام طور سے لوگ صرف گوشت کھاتے ہیں، اگر کسی آدمی کی خواہش یہی ہے کہ وہ اس کی کھال بھی کھائے تو وہ اس کو بھون کر کھاسکتا ہے، لیکن یہ سلیم طبیعتوں کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر(۱۱۸)- کیا یہ سچ ہے کہ دیوبندیوں کے یہاں کوا کھانا جائز ہے؟

جواب: ہاں، ان کے یہاں مسئلہ تو یہی ہے اور وہ لوگ نہ صرف کوا کھانے کو جائز کہتے ہیں بلکہ باعث اجر و ثواب بھی سمجھتے ہیں۔ چناں چہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۴۵/ میں ہے۔

> سوال "جس جگہ زاغ معروفہ(۱) کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں ایسے جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا۔ یا نہ ثواب نہ عذاب؟"
> جواب: ثواب ہوگا۔ فقط

مگر ہم اہلِ حق کے مذہب میں کوا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) مشہور کوا یعنی جس پرندے کا نام لوگوں میں کوا مشہور ہے۔

۱۱

كتاب الأضحية

(قربانی کے مسائل)

مخصوص دنوں میں مخصوص جانور کو بہ نیتِ تقرب ذبح کرنے کو شریعتِ اسلامیہ میں قربانی یا اضحیہ کہتے ہیں۔

قربانی میں اصل چیز جذبۂ ایثار اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔

قرآن مجید میں رب کا ارشاد ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کو تمھارے گوشت و پوست اور خون کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کی بارگاہ میں تمھارے تقویٰ اور پرہیزگاری کی قدر ہے۔

قربانی ہر اس آزاد مقیم اور صاحبِ نصاب مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے جو رہائش و لباس وغیرہ حوائجِ اصلیہ سے زائد ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر مالیت رکھتا ہو، مال پر سال گزرنا ضروری نہیں بلکہ صرف قربانی کے ایام میں صاحبِ نصاب ہوجانے سے واجب قرار پائے گی۔ احکامِ شرعیہ سراسر حکمت پر مبنی ہیں قربانی کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں حرارتِ ایمانی پیدا ہوتی ہے اور راہِ خدا میں اپنی عزیز چیز لٹانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا:

ما هذه الأضاحي يا رسول الله ﷺ، قال: سنة أبيكم

(۱) القرآن الحكيم، الآية: ۳۷، الحج: ۲۲، پ: ۱۷.

إبراهيم.[1]

یعنی: صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ مرتب غفرلہٗ

سوال نمبر (۱۱۹)۔ قربانی کے گوشت میں کون سا حصہ کھانا ناجائز ہے؟

جواب: قربانی کا گوشت ہو یا کسی اور حلال جانور کا ان میں بائیس ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جن کا کھانا حرام یا ممنوع یا مکروہ ہے۔ فقہاے کرام نے ان سے ممانعت فرمائی ہے، اور وہ اجزا یہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتا (۳) پھکنا (۴) علاماتِ مادہ و نر (۶) بیضے (۷) غدود (۸) حرام مغز (۹) گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰) جگر کا خون (۱۱) تلی کا خون (۱۲) گوشت کا خون کہ ذبح کے بعد نکلتا ہے (۱۳) دل کا خون (۱۴) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱۵) پاخانہ کا مقام (۱۶) اوجھڑی (۱۷) آنتیں (۱۸) نطفہ (۱۹) وہ نطفہ کہ خون بن گیا ہو (۲۰) وہ کہ گوشت کا لوتھڑا ہو گیا ہو (۲۱) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مر گیا۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۲۰)۔ قربانی کے جانور کی کھال کی قیمت ہم مسجد میں دے سکتے ہیں یا اس کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں؟

جواب: یہ سب کر سکتے ہیں، جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

كلوا وادخروا واتجروا.[3]

قربانی کا گوشت کھاؤ اور جمع کر کے رکھو اور اجر و ثواب کے کام میں خرچ کرو۔

فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ جو حکم گوشت کا ہے وہی کھال کا بھی حکم ہے۔

(۱) سنن إبن ماجه، أبواب الأضاحي، باب ثواب الأضحية، ص: ۲۲٦.
(۲) فتاوی رضویہ، ج:۸، ص:۳۲۷، مطبع رضا اکیڈمی ممبئی.
(۳) سنن أبي داؤد كتاب الضحايا، ص: ۳۸۸.

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

وَاللَّحمُ بِمنزلةِ الجلد في الصحيح.[1]

اور گوشت مذہبِ صحیح میں کھال کے درجے میں ہے۔

لہٰذا کھال کو ہر نیک اور ثواب کے کام میں خرچ کر سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو ڈائرکٹ کھال ہی مسجد کو دے دیں اور چاہیں تو کھال کی مناسب قیمت دیں۔ اور کھال اپنے کام میں لائیں یا اسے بیچ کر دام جمع کر دیں تینوں صورتیں جائز ہیں۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

ولا يبيعُهُ بالدّراهِمِ لِيُنفِقَ الدّراهمَ عَلىٰ نفسهِ وعيالهِ ... ولو باعهُ بالدّراهم ليتصدّق بها جاز، لِأنّهُ قربة كالتّصدُّق كذا في التّبيين اهـ.[2]

کھال کو اپنے اوپر اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرنے کے لیے نہ بیچے اور اگر روپے کو صدقہ کرنے کے لیے اس کے بدلے میں بیچا تو یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ گوشت کے صدقے کی طرح کارِ ثواب ہے۔

ہاں اس بات کا لحاظ ضرور رہے کہ جہاں اس کی ضرورت زیادہ ہو وہاں دینا افضل ہے، عام طور سے مدارس کو ضرورت زیادہ ہوتی ہے تو مدارس میں دینے پر ثواب زیادہ ہے لہٰذا افضل یہ ہے کہ قربانی کی کھالیں مدارسِ اہلِ سنت کو دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۲۱)۔ کیا قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں اور اس کو دعوت کر کے کھلا سکتے ہیں؟

جواب: قربانی کا گوشت "تقرب الٰہی و عبادت" کا ایک حصہ ہے، اور اپنی عبادت میں غیر مسلم کو شریک نہیں کیا جاتا۔ مثلاً آپ ان سے یہ نہیں کہتے کہ میرے ساتھ تم بھی مسجد میں چل کر یا کہیں بھی نماز پڑھو، یا روزہ رکھو، یا زکات دو، تو یہاں بھی وہی روش اپنانی چاہیے۔

پھر ہمیں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جس سے ان کے مذہب و عقیدے پر کوئی آنچ آئے اس لیے آپ تحقیق کر لیں کہ ان کے مذہب اور اعتقاد میں جانور کا ذبح اور گوشت خوری

(۱) فتاوی عالم گیری، ج:۵، ص:۳۰۱، الباب السادس، في بيان مايستحب في الأضحية.
(۲) فتاوی عالم گیری، ج:۵، ص:۳۰۱، الباب السادس، في بيان مايستحب في الأضحية.

ہے یا نہیں؟ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کا قول وعمل کیا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کا مذہب اور عقیدہ کیا ہے۔ اور جو بھی ان کا مذہب وعقیدہ ہو اس میں دخل اندازی سے ہمیں بچنا چاہیے اسی میں عافیت وخیر خواہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲)

کتاب الحظر والاباحة

(جائز و ناجائز امور کے مسائل)

حظر کا معنی ہے بچنا، پرہیز کرنا۔ یعنی یہ کام ممنوع ہے اور اباحت کا معنی ہے جائز اور مباح، اس کے چھوڑنے یا کرنے پر نہ تو ثواب ہے نہ عذاب۔ مگر کوئی بھی مباح کام نیت صالحہ کے ساتھ کیا جائے تو وہ عبادت بن جاتا ہے جس پر نیت کے موافق ثواب ملتا ہے فقہائے کرام اس باب میں ایسے امور کا تذکرہ کرتے ہیں جو شریعت اسلامیہ میں مباح، مکروہ یا ممنوع ہیں۔

کتاب الحظر والاباحہ میں ایسے فتاوے شامل ہیں جو دور حاضر کے اہم مسائل سے متعلق ہیں جن کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں کیا گیا ہے مثلاً نومولود بچے کے نام پر جیون بیمہ، نعت نبی میں سید عالم ﷺ کی شان میں تیرا، میرا کا لفظ بے ادبی متصور ہوگا یا نہیں، قرآن مجید کے بوسیدہ نسخوں کی تدفین، او، بی، سی سرٹیفکیٹ یعنی (ذات پرماڑپتر) اس کے علاوہ اور بھی دیگر اہم مسائل ہیں۔ (مرتب غفرلہٗ)

سوال نمبر (۱۲۲)- بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے، یا ناجائز مطلع فرمائیں؟

جواب: کھانا حلال مال سے بنا ہے تو حلال و جائز ہے۔ مگر جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں یا انھوں نے نماز نہ پڑھنے کی عادت بنا رکھی ہے، تو ایسے لوگوں سے میل جول رکھنا، ان کے یہاں بیٹھنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا نہیں چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۲۳)- ایک خاتون نے سورہ اعراف کی آیت لکھ کر بھیجی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۔ (۱)

(۱) القران الحکیم، الآیۃ: ۱۹۹، الاعراف: ۷، پ: ۹۔

یعنی اے محبوب معاف کرنے کو اختیار کر لیجیے اور بھلائی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے منہ پھیر لیجیے۔

اس آیت میں منہ پھیر لینے سے کیا مراد ہے؟ کیا کسی کا شوہر یا بیوی جاہل ہو یا والدین جاہل ہوں تو ان سے منہ پھیر لیا جائے؟ یا پھر اس کا کچھ اور مطلب ہے۔ بیان فرمائیں؟

جواب: دیکھیے یہاں جاہل سے مراد وہ نہیں جو بے پڑھا لکھا ہو کہ اگر وہ سامنے آئے تو اس کو سلام ہی نہ کریں اور اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کریں اور منہ پھیر کر دوسری طرف چلے جائیں۔ بلکہ جاہل سے مراد وہ آدمی ہے جو جہالت کا کام کرے مثلاً کوئی یہاں پر آئے اور بلا وجہ گالی گلوج کرے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بھی گالی دیں، کیوں کہ گالی دینے کی مذہب اجازت نہیں دیتا۔ یوں ہی کوئی غیبت کرتا ہے، یا ناحق ستاتا ہے یا زبان وافعال سے تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بھی وہی کریں جو وہ کرتا ہے۔ بلکہ اسلام کہتا ہے: اعرض عن الجاهلين کہ ایسے جاہلوں کی جہالت سے اعراض کرو۔ اور خود جہالت کا کوئی کام نہ کرو ایسے جاہلوں کے لیے بے پڑھا ہونا ضروری نہیں، بلکہ کتنے پڑھے لکھے ایسے ہوتے ہیں جو بداخلاق ہوتے ہیں اور لوگ ان کی جہالت سے تنگ آجاتے ہیں۔ ہم کو تو حکم یہ ہے صِل من قطعك وأحسِن من أذاك. یعنی اس سے رشتہ جوڑو جو تم سے قطع تعلق کرے اور جو تمھارے ساتھ بدسلوکی کرے اس کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو۔

کوئی شخص اگر جاہل، بے پڑھا لکھا ہو، لوگوں کے ساتھ شرافت سے پیش آتا اور اچھا برتاؤ کرتا ہو، اللہ اور اللہ کے رسول سے ڈرتا ہو تو وہ ضرور اچھے سلوک، اور نگہ التفات کا حقدار ہے، شوہر کا حق بیوی پر سب سے زیادہ ہے اور ماں باپ کا حق اولاد پر سب سے زیادہ ہے اس لیے صرف جاہل اور ناخواندہ ہونے کی وجہ سے بیوی اپنے شوہر سے اور اولاد اپنے والدین سے ہرگز ہرگز اعراض نہ کرے۔

صاوی شریف شرح جلالین میں ہے کہ "جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کا مطلب پوچھا، تو انھوں نے عرض کی: میں اپنے رب سے معلوم کر لیتا ہوں، پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتایا کہ یارسول اللہ ﷺ

آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ "جو آپ سے رشتہ توڑے اس سے بھی رشتہ جوڑیے، جو آپ کو محروم کرے اسے بھی عطا فرمایئے اور جو آپ پر ظلم کرے اسے معاف کر دیجیے"[۱]

سوال نمبر (۱۲۴)- کیا انٹرسٹ کا پیسہ ہم غریبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں؟

جواب: تقسیم کر سکتے ہیں، بلکہ تقسیم کرنا چاہیے۔

حکومتِ ہند کے بینکوں سے جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود قطعاً نہیں بلکہ مالِ مباح ہے، لہٰذا اسے غریبوں، محتاجوں میں تقسیم کرنا ضرور جائز ہے، بلکہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ افضل یہی ہے اور زیادہ ثواب اسی میں ہے کہ حاصل شدہ رقم فقرا اور محتاجوں میں تقسیم کر دی جائے۔[۲]

سوال نمبر (۱۲۵)- گٹکھا، تمباکو وغیرہ بیچنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: گٹکھا اور تمباکو بیچنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا کاروبار کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۲۶)- زید ہمیشہ سفر میں رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہوٹلوں میں کھانا کھاتا ہے، ہوٹل کے گوشت میں اس کو شبہہ رہتا ہے کہ حلال ہے یا حرام، تو کیا اس کو بسم اللہ شریف پڑھ کر کھا سکتا ہے۔

جواب: بسم اللہ پڑھ کر تو ہر چیز کھانی چاہیے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو کھانا حرام ہو وہ بسم اللہ پڑھ لینے سے حلال ہو جائے، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر حرام کھانے پر بسم اللہ پڑھنا حرام ہے اور کسی نے حرام کو حلال جان کر کھانے کے لیے بسم اللہ پڑھ دیا تو کفر بھی ہو جائے گا۔ اب اگر معلوم ہے کہ اس ہوٹل کا مالک سنی صحیح العقیدہ ہے اور اس کے کارندے بھی اسی طرح کے ہیں، ان پر بدعقیدگی و بدمذہبیت وغیرہ کی نشانیاں نہیں پائی جاتی ہیں، تو ایسی صورت میں اس ہوٹل سے گوشت کھا سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ فتویٰ جواز کا ہے مگر تقویٰ احتراز میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) حاشية الصاوي على تفسير الجلالين، ج: ۱، ص: ۱۱۴، دار احياء التراث العربي.
(۲) فتاویٰ رضویہ میں ہے: وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بلا غدر و عہد شکنی بخوشی ملتا ہے، لینا اور بخوشی مساکین کو پہنچا دینا ضرور موجبِ ثواب ہے۔ ج: ۷، ص: ۱۱۸۔

سوال نمبر (۱۲۷)- شرعی کام کے لیے غیر مسلموں سے پیسہ اکٹھا کیا جائے، تو کیا وہ شرعی کاموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسے مسجد کی تعمیر؟

جواب: قرآن پاک میں صاف صاف فرما دیا گیا ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ (۱)

تمھارے لیے تمھارا دین میرے لیے میرا دین۔ دنیوی کام الگ ہیں اور دینی کام الگ۔ دین کے معاملے میں حکم یہ ہے کہ ہم ان سے کسی قسم کا چندہ نہ لیں۔ کہ دینی کاموں مثلاً تعمیر مسجد اور تعمیر مدرسہ یا تبلیغی کاموں کے لیے ان سے چندہ لینا اور پیسہ مانگنا جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ دین میں کوئی جبر و دباو نہیں۔ اب اگر ہم ان سے چندہ مانگتے ہیں تو گویا ہم اپنے دین کے لیے ان پر زور اور دباو ڈال رہے ہیں اور یہ نامناسب بات ہے۔ لہٰذا ان کو ان کے دین میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور ہم اپنے دین میں آزاد ہیں تاکہ وہ نہ ہم سے چندہ مانگیں، نہ ہم ان سے مانگیں۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۲۸)- کیا حکم ہے شرع مطہر کا اس بارے میں کہ کسی نے مرے ہوئے آدمی کا فوٹو رکھا، تو گناہ رکھنے والے کا ہے یا پھر جس کی تصویر ہے؟

جواب: ادب واحترام سے فوٹو رکھنا حرام و گناہ ہے۔ (۳)

---

(۱) القران الحکیم، الأیۃ: ٦، الکافرون: ١٠٩، پ: ٣٠.

(۲) مسجد کی تعمیر کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ. مسجدیں وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

القرآن الکریم، التوبہ، آیت:١٧.

(۳) حدیث پاک میں ہے: ان اصحاب ھذہ الصورۃ یعذبون یوم القیامۃ. متفق علیہ. قیامت کے دن تصویر بنانے والوں پر عذاب ہوگا۔

عن ابی طلحۃ عن النبی ﷺ قال: لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ.
(سنن ابن ماجہ، ص: ٢٦٠)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو نہ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں (جاندار کی) تصویر ہو۔

رہ گئی یہ بات کہ گناہ مردے اور رکھنے والے میں سے کس پر ہوگا؟ تو اس میں تفصیل ہے اگر اس آدمی نے اپنی مرضی سے کھنچوایا تھا اور وہ اس پر راضی تھا کہ اس کی تصویر رکھی جائے اور اس کے فوٹو کی حفاظت کی جائے تو فوٹو کھنچوانے کا گناہ اور رکھوانے کا گناہ مردے کے اوپر ہوگا۔ اور عزت سے تصویر رکھنے کا گناہ رکھنے والے پر ہوگا۔ اور اگر مردہ اس سے راضی نہیں تھا، کسی نے کھینچ لیا ہے اور اپنے پاس رکھے ہوئے ہے تو اس صورت میں فوٹو کھینچنے اور اس کو حفاظت سے رکھنے کا گناہ صرف اس آدمی پر ہوگا جس نے اس کا فوٹو کھینچا اور احترام کی جگہ رکھا مردے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۲۹)- کیا حکم ہے اس بارے میں کہ لوگ آج کل ہوٹلوں میں چاؤمنگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں یہ ایک چائنیز کھانا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں سور کی ہڈیوں کا پاؤڈر ہوتا ہے۔ آیا اس کو کھانا چاہیے یا نہیں؟

جواب: جو کھانے شبہے کے ہوں ان سے بچنا چاہیے۔ اور جس کھانے کے بارے میں اطمینان ہو کہ ضرور حلال ہے اور اس میں کوئی ناپاک یا حرام چیز نہیں ملائی گئی ہے اسی کو کھایا جائے۔ خواہ وہ چائنیز ہو یا امریکن یا کہیں اور کا۔ اور جس میں یقین ہے کہ حرام و ناپاک چیز ملائی گئی ہے اس کا کھانا حرام و گناہ ہے اور جس میں شبہہ ہو اس سے بچنا چاہیے یعنی کھا لیا تو گناہ نہیں اور بچے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۳۰)- کیا کافر کو قرض دے کر اس سے زیادہ لینا جائز ہے جب کہ مومن سے نہیں۔ اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسا کافر ہے، حربی، ذمی یا مستامن؟ اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: یہاں ہندوستان میں حربی، ذمی اور مستامن کی کوئی قید نہیں ہے یہاں کے غیر مسلموں کے مذہب میں سود جرم یا گناہ نہیں ہے، وہ سود کو غیر قانونی نہیں مانتے ہیں وہ دیتے بھی ہیں اور لیتے بھی ہیں ان کے ساتھ دھوکہ، فریب، غدر حرام و گناہ ہے۔ لہٰذا فریب دے کر ان سے کچھ بھی نہیں لے سکتے۔ لیکن اگر آپ نے انھیں قرض دیا اور وہ اپنی مرضی سے کسی دباو میں آئے بغیر آپ کو کچھ دے دیں، تو لے سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کسی غیر مسلم کو ایک

ہزار روپے دیے اب وہ اس پر پانچ ، دس روپے اضافہ کے ساتھ دے رہا ہے یا ایک سو اضافہ کر کے دے رہا ہے تو یہ آپ کے لیے جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۳۱)- کیا کافروں کے ساتھ جھوٹ بول سکتے ہیں؟

جواب: کافر ہو یا مشرک ، جھوٹ بولنا کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ اس میں مومن اور کافر کی کوئی تخصیص نہیں۔ ہاں کچھ صورتیں ہیں جہاں جھوٹ بولنا جائز ہے، جیسے ایک صورت مجبوری کی ہے۔ ایک آدمی دوسرے کی جان ناحق لینے جا رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جھوٹ بول دے گا تو اس کی جان بچ جائے گی تو وہاں جھوٹ بول سکتا ہے۔ یہ حکم مسلمان اور غیر مسلم سب کے لیے عام ہے کسی ایک قوم کے ساتھ خاص نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۳۲)- زید ایک پیر ہے، جو کہتا ہے کہ میرا رتبہ بہت بڑا ہے، میں مفتی بھی ہوں، اپنی مریدہ سے کہتا ہے کہ تم میری روحانی بیٹی ہو لہٰذا میرا ہاتھ چومو۔ اس سلسلے میں حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: یہ ہرگز صحیح نہیں۔ جو پیر واقعی اور حقیقت میں پیر ہوگا، جو مرشد واقعی مرشد ہوگا وہ کبھی بھی ایسا فرمان جاری نہیں کرے گا۔ پیر کے مرید کرنے کی وجہ سے عورت مریدہ تو ہو جاتی ہے، مگر نسبی بیٹی نہیں ہو جاتی۔ نسبی بیٹی اپنے باپ کی خدمت کر سکتی ہے، سامنے آسکتی ہے، مگر مریدہ اگر نسبی محارم سے نہیں ہے تو اس کو پیر کے سامنے آنے کی اجازت نہیں ہے، اس کو پیر کے سامنے بے پردہ اور بے حجاب آنا بھی جائز نہیں۔

جس پیر نے ایسی بات کہی اس نے شریعت کا غلط مسئلہ بتایا ہے، اور غلط مسئلہ بتانے کی وجہ سے گنہ گار ہوا، اس پر فرض ہے کہ فوراً اس سے توبہ کرے اور آئندہ کسی مرد یا عورت کو غلط مسئلہ نہ بتائے، اور عورتوں کو اس طرح غلط مسئلہ بتانا ان کو گناہ میں مبتلا کرنا ہے۔ لڑکیاں اور عورتیں اس کی وجہ سے گمراہ ہوں گی، یہ دوسرا گناہ ہے۔ لہٰذا وہ پیر فوراً توبہ کرے نیز لوگوں کو اس پیر کے تعلق سے آگاہ کر دیا جائے کہ یہ غلط مسئلہ بتاتا ہے تاکہ لوگ اس سے بچیں اور دور رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۳۳)- اردو زبان میں "تو" اور "تیرا" کا لفظ بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، جب کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی نظم "واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا" میں بار بار لفظ "تیرا" کا استعمال کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: نعتیہ شاعری میں اس طرح کے الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہے۔ اصل میں ہر زبان اور ہر ماحول کا عرف الگ الگ ہے، ادب اور تعظیم کی بنیاد عرف پر ہوا کرتی ہے۔ نثر میں یہ لفظ بولیں گے تو وہ ادب کے خلاف ہوگا اور نظم کے عرف میں یہ لفظ ادب کے دائرے میں آتا ہے اور تعظیم کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔ تو جو کلام جس ماحول میں پڑھا جائے اسی ماحول کے عرف میں اس کا مطلب سمجھنا چاہیے، جیسے زمانہ رسالت میں صحابہ کرام جوتے پہن کر مسجد میں آتے تھے، اس زمانے کے عرف کے مطابق جوتے پہن کر مسجد میں آنا ادب کے خلاف نہیں تھا اور اگر آج کوئی جوتے پہن کر مسجد کے اندر داخل ہو جائے تو یہ ادب کے سراسر خلاف سمجھا جائے گا۔ وجہ وہی ہے کہ آج کا عرف بدل چکا ہے، ماحول بدل چکا ہے، کل کے ماحول میں جوتے پہن کر مسجد میں آنا بے ادبی نہیں تھا، مگر آج بے ادبی ہے، تو اس وجہ سے ایسا فرق پڑتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں "کَ" اور "کُم"، "انتَ" اور "انتم" بولا جاتا ہے جس کا معنیٰ تیرا اور تم ہے عربی زبان میں بڑوں کے لیے یہ الفاظ بولنے میں کوئی بے ادبی نہیں، اور اردو نثر میں لفظ "تیرا" اور "تجھ" کو بے ادبی تصور کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اضافی ہیں کہ کسی چیز کی طرف نسبت کرتے ہوئے ادب ہے اور کسی کی طرف نظر کرتے ہوئے بے ادبی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح زمانہ رسالت کی طرف نسبت کرتے ہوئے مسجد میں جوتے پہن کر جانا بے ادبی نہیں اسی طرح نظم و نعت کی طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ "تیرا" کوئی بے ادبی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۳۴)- نعت یا صلوٰۃ و سلام کو گانوں کے طرز پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: گانوں کے انداز میں یا فلمی طرز پر نعت پاک پڑھنا یا صلوٰۃ و سلام پڑھنا ناجائز ہے کہ یہ لہجے اور انداز میں فساق سے مشابہت اختیار کرنا ہے جو ناجائز ہے حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.

جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انھی میں سے ہے۔

اور حدیث نبوی میں تو صاف صاف اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے چنانچہ امام بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ صحابیِ رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ. (1)

اہلِ عشق کے لہجے و طرز ادا پر قرآن پڑھنے سے بچو۔

جو حکم قرآنِ مقدس کا ہے وہی حکم نعت شریف کا بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے فلمی گلوکار حدیث کے لفظ "اہلِ عشق" کے صحیح مصداق ہیں اس لیے ان کے طرز پر نعت شریف پڑھنا ضرور ممنوع ہے۔ فقہانے باب الاذان میں بھی اس طرح کی تصریحات فرمائی ہیں جو شامی و بہارِ شریعت وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

جب آقائے کائنات ﷺ نے فلمی طرز پر قرآن پڑھنے کو منع فرمایا ہے تو جو سیدھا سادہ انداز ہے اسی انداز میں پڑھیں یہی جائز ہے اور یہی مقبول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۵)- کیا غیبت زنا سے بدتر ہے، جبکہ زنا کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ جب تک متاثرہ معاف نہ کرے معاف نہ ہوگا؟

جواب: زنا میں دونوں فریق راضی ہوتے ہیں تو کسی کا حق دوسرے پر نہیں عائد ہوتا، نہ عورت کا مرد پر، نہ مرد کا عورت پر۔ یہ خالص اللہ کا حق بن جاتا ہے، اب اگر یہ توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا، لیکن غیبت میں آدمی جو گناہ کر رہا ہے یا جس کی غیبت کر رہا ہے وہ اس پر راضی نہیں ہے اور اس غیبت و بدگوئی کی وجہ سے اس کو تکلیف پہنچ رہی ہے، تو غیبت کرنے والے نے اس بندے کا حق تلف کیا ہے۔ اور بندہ جب تک معاف نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرے گا اس لیے یہ زنا سے بڑھ کر ہوا۔ (2) واللہ تعالیٰ اعلم

---

(1) مشکوۃ المصابیح، ص: ۱۹۱، کتاب فضائل القرآن، مجلس البرکات.

(2) حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سوال نمبر (۳۶)- کیا حکم ہے شرعِ متین کا اس بارے میں کہ کسی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو وہی سجدہ کرے گا یا تمام لوگ؟

جواب: اگر کسی نے بلند آواز سے قرآن شریف پڑھا اور آیت سجدہ بھی پڑھی تو جتنے لوگوں نے آیت سجدہ سنی ہے ان سب لوگوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ سجدۂ تلاوت کریں۔ جیسے پڑھنے والے پر سجدہ فرض ہے اسی طرح سننے والے پر بھی سجدہ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۷)- قرآن پاک دل ہی دل میں پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: دل ہی دل میں پڑھنا بھی ثواب کا باعث ہے، مگر اتنا زور سے ہو کہ خود سن سکے تو وہ تلاوت قرآن بھی ہے اور اس میں زیادہ ثواب بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۸)- قرآن شریف پڑھتے وقت اذان ہو رہی ہے تو رک جانا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر رکنے کی جگہ نہیں آئی تو کیا ٹھہر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: جہاں تک آپ نے تلاوت کر لی ہے وہیں پر فوراً چپ ہو جائیں، جب اذان پوری ہو جائے تو دعا پڑھنے کے بعد اپنی تلاوت شروع کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۳۹)- کیا پیر کی شکل میں شیطان آسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں پیر کی شکل میں شیطان آسکتا ہے، یہ ناممکن نہیں ہے۔ لیکن جو صحیح معنوں میں پیر ہیں، مرید کو ان سے اچھی عقیدت رکھنی چاہیے، جو مرید صادق العقیدہ ہوگا ان شاء اللہ اس کے خواب میں کبھی شیطان پیر کی شکل میں نہیں آئے گا۔ لیکن جہاں تک امکان کی بات ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسا ناممکن اور محال نہیں ہے۔ ناممکن تو

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

اياكم والغيبة، فان الغيبة اشد من الزنا، فان الرجل قد يزني و يتوب فيتوب الله عليه وان صاحب الغيبة لا يغفر له حتى يغفر له صاحبه (الجامع الصغير، ج: ۱، حديث نمبر: ۲۹۱۷)

غیبت سے بچو کہ غیبت زنا سے سخت تر ہے کیونکہ کوئی آدمی زنا کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور غیبت کرنے والے کو معاف نہیں فرماتا جب تک کہ جس کی غیبت کی گئی وہ معاف نہ کر دے۔ مرتب غفرلہ

صرف ایک چیز ہے کہ شیطان حضور اکرم ﷺ کی شکل میں آئے، وہ کبھی بھی نبی کریم ﷺ کی شبیہ وشکل میں نہیں آسکتا؛ کیوں کہ سرکار دوعالم ﷺ خاتم النبیین اور ممتنع النظیر ہیں آپ کی نظیر محال ہے، لہٰذا شیطان میں اس بات کی قدرت نہیں کہ آپ کی نظیر بن کر آئے، نہ عالم بیداری میں نہ خواب میں۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۰)- کیا حکم ہے شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں کہ نومولود بچے کے نام پر جیون بیمہ (لائف انشورنس) کرایا جاتا ہے ۸/، ۱۰/ ہزار روپے جمع کر کے۔ جب بچہ ۱۸/ سال کا ہوجاتا ہے تو بینک اس کو لاکھ دو لاکھ روپے دے دیتا ہے، اسلام میں اس کی اجازت ہے یا نہیں۔ کیوں کہ شریعت میں ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو روزی اپنے ساتھ لاتا ہے؟

جواب: بچہ پیدا ہوتا ہے تو ساتھ میں روزی بھی لاتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کی روزی ساتھ رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نہ تجارت کی جائے، نہ محنت ومزدوری، اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھے رہیں، یہ اسلام نہیں کہتا۔

اللہ نے تو روزی کا انتظام کیا ہی ہے مگر یہ بھی تو فرمادیا ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔[2]

جب نماز ہوچکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل ورزق تلاش کرو۔ پھر کتاب وسنت میں حلال روزی کے حلال ذرائع بھی بتائے گئے ہیں۔ روزی کے لیے تگ و دو کرو، دوڑ دھوپ کرو اور روزی حاصل کرنے کا جو جائز طریقہ ہے وہ اختیار کرو۔ لہٰذا اگر بچے کے نام لائف انشورنس کرایا گیا اور جس نے کرایا اس کی مالی پوزیشن ایسی ہے کہ وہ ساری قسطیں تین سال تک (یا جتنی مدت تک جمع کرنے سے رقم محفوظ ہوجائے) ادا کرتا رہے گا اور کوئی قسط ناغہ نہ ہوگی، تو اس کے لیے اپنی

(۱) حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:
من رأني في المنام فقد رأني فان الشيطان لا يتمثل بي. سنن ابن ماجه، ص: ۲۷۸.
جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل نہیں اختیار کرسکتا۔

(۲) القرآن الکریم، الأية: ۱۰، الجمعة: ۶۲، پ: ۲۹.

طرف سے اور اپنے بال بچوں کی طرف سے بھی لائف انشورنس کرانا جائز ہے اور جب اس کی مدت پوری ہوجائے تو اس کو اور اس کے نفع کو لینا جائز اور درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۱)- عورتیں مزارات پر حاضر ہوتی ہیں اور بری رسمیں اختیار کرتی ہیں۔ مثلاً گنڈے باندھنا، سر پٹکنا، وغیرہ، وغیرہ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: مزارات پر عورتوں کی حاضری ناجائز وگناہ ہے کیونکہ عموماً یہ عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب آتی جاتی ہیں، وہاں مردوں کے ہجوم کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کا باہم اختلاط ہوتا ہے، اور جگہ کی تنگی کے باعث ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہوجاتے ہیں کہ ان کے بدن ایک دوسرے سے ٹچ ہوتے ہیں پھر وہاں جاکر کچھ عورتوں کا سر پٹکنا اس پر مستزاد ہے۔ ان مفاسد کی بنا پر علمائے امت نے اولیاء اللہ وصالحین کے مزاروں پر عورتوں کو جانے سے مطلقاً روک دیا، اس لیے شوہر اور باپ وبھائی کو چاہیے کہ اپنی بیوی، بیٹی، بہن کو ایسے مفاسد اور فتنوں سے بچائیں اور خود عورتوں پر بھی لازم ہے کہ بچیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔[1]

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو جہنم کی آگ سے۔

آج کے زمانے میں جو مفاسد پائے جاتے ہیں ان کے پیش نظر ہماری خواتین غور کریں کہ وہاں جاکر فیضیاب نہ ہوں گی بلکہ گنہگار ہوں گی، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اور شریعت کی پیروی کے لیے گھر پر رہیں اور یہیں سے فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں، کھانا پکاکر غریبوں کو کھلائیں تو انھیں اولیاء اللہ کا فیض بھی ملے گا اور اللہ کی بارگاہ سے اجر وثواب کی بھی حق دار ہوں گی۔

کچھ مفاسد کے شبہے بلکہ شائبے کی بنا پر خیر القرون میں ہی عورتوں کو مسجد کی حاضری اور جماعت کی شرکت سے روک دیا گیا تو آج اس قدر مفاسد کے موجود ہوتے ہوئے ضرور انھیں روکا

(۱) القرآن الکریم، الأية: ۶، التحریم: ۶۶.

جائے گا۔ ہاں انھیں صرف ایک مزار پر جانے کی اجازت ہے وہ رحمت عالم ﷺ کا مزار پُرانوار ہے۔ اس روضے کی برکت حاصل کرنے کے لیے وہاں جانے کی اجازت ہے۔ وہاں کے علاوہ اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۲)- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک خاتون کے بال موٹے ہوگئے ہیں اور ان کی نشوونما رک گئی ہے تو علاج کے طور پر انھیں کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں، بال کاٹنے کی اجازت نہیں بال موٹے ہوں، یا پتلے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۳)- کیا حکم ہے شرع متین کا اس بارے میں کہ حرام و حلال کے درمیان کوئی ایسا فرق ہے جس کے دیکھنے کے بعد ہم امتیاز کر سکیں کہ یہ حرام ہے یا حلال؟

جواب: شریعت اسلامیہ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے حلال و حرام کو نمایاں طور پر بیان فرمادیا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ بتادیا ہے کہ فلاں، فلاں چیز حرام ہے اور فلاں فلاں چیز حلال۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت خاموش ہو کہ نہ اسے حرام بتایا، نہ حلال۔ تو وہ چیزیں مباح سمجھی جائیں۔

چنانچہ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

الحلال ما احل الله فی کتابه و الحرام ما حرم الله فی کتابه ، وما سکت عنه فهو مما عفا عنه.(۱)

اللہ عزوجل نے جو کچھ اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے وہ حلال ہے، اور جو کچھ حرام فرمادیا وہ حرام ہے، اور جن چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی وہ معاف ہے۔

اور سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو.(۲)

اللہ ورسول نے جو کچھ حلال فرمادیا وہ حلال ہے اور جو کچھ حرام فرمادیا وہ حرام ہے اور

(۱) جامع الترمذی، ابواب اللباس، باب ما جاء فی لبس الفراء، ج: ۱ ص: ۲۰۶.
(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، باب مالم یذکر تحریمه، ص: ۵۳۹.

جن چیزوں کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ معاف ہیں۔

جب ہر چیز کے بارے میں تفصیل کے ساتھ شریعت۔ نے بیان فرمادیا ہے کہ کیا کیا حلال ہے اور کیا کیا حرام، اور کیا معاف۔ تو اب الگ سے کسی پہچان اور نشان امتیاز کی حاجت نہ رہ گئی، کم سے کم کتاب کا وہ باب آپ کو پڑھ ہی لینا چاہیے جس سے حلال و حرام کا علم ہو جائے۔ پھر بھی شریعت نے بہت سے امور میں نشانِ امتیاز کا اشارہ فرمادیا ہے یا واضح لفظوں میں بیان بھی فرمادیا ہے، مثلاً: دریائی جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے اور مچھلی اور غیر مچھلی کا فرق وامتیاز سب کو معلوم ہے۔ چوپایوں میں صرف تین جنس کے جانور حلال ہیں، اونٹ، گائے، بکری۔ بھینس و بیل گائے، گائے کی جنس میں اور مینڈھا، ہرن بکری کی جنس میں شامل ہیں۔ ان چوپایوں کو اَنعام کہا جاتا ہے۔ تو مختصر یہ کہ اَنعام حلال ہیں اور غیر اَنعام حرام۔ اور ان دونوں طرح کے چوپایوں کا فرق وامتیاز سب پر عیاں ہے۔

پنجے والا پرندہ جو پنجے سے شکار کرتا ہے حرام ہے جیسے باز، چیل وغیرہ ایسے تمام پرندے آنکھوں سے دیکھ کر پہچانے جاتے ہیں۔ زمین کے کیڑے، مکوڑے جنھیں حشرات الارض کہا جاتا ہے سب حرام ہیں، جیسے چوہا، چھپکلی، گرگٹ وغیرہ۔ حلال جانوروں میں مُردار حرام اور مذبوح حلال ہیں، اور مُردار و مذبوح کو اچھی طرح پہچانا جاتا ہے۔ مشروبات میں ہر مسکر (نشہ آور) حرام ہے اور یہ تجربہ سے سب کو معلوم ہے۔ جو چیزیں طبع سلیم کے لیے خبیث وگندی ہیں وہ بھی حرام ہیں جیسے خنزیر، کتا، وغیرہ۔ اور ہر اجنبی عورت کو بلا ضرورت دیکھنا حرام ہے اور ماں، بہن وغیرہ محرمات کو دیکھنا حلال ہے۔ یہ فرق تو سبھی پر واضح ہے، الغرض فرق وامتیاز زیر نظر رہے، تاہم بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۴)- کیا حکم ہے شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں کہ کیا اہل حدیث بھی اہل سنت وجماعت ہیں؟

جواب: ہرگز نہیں، یہ قطعاً اہلِ سنت و جماعت سے نہیں آج کل "اہل حدیث" ایک گمراہ فرقے کا نام ہے جو ہمارے عرف میں وہابی اور غیر مقلد کہلاتے ہیں، انھوں نے اپنا نام "اہلِ حدیث" رکھ لیا ہے ان کے بہت سے عقائد حدیثِ نبوی وسنتِ رسول اللہ

کے خلاف ہیں جن کی تفصیل امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے رسالہ "الکوکبۃ الشہابیۃ" اور رسالہ "النہی الاکید" اور رسالہ "سبحان السبوح" وغیرہ میں بیان فرمائی ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ نماز میں بیوی سے جماع کا اور گائے، بیل، بھینس، گدھے کا خیال آجائے تو نماز ہوجائے گی اور ۔اللہ کی پناہ۔ حضور سید عالم ﷺ کا خیال آجائے تو نماز نہ ہوگی، بلکہ یہ خیال کفر تک کھینچ لے جائے گا۔

قرآن و حدیث میں دور دور تک اس عقیدے کا کوئی نام و نشان نہیں، مگر ہیں اہلِ حدیث۔ یہی حال ان کے دوسرے عقائدِ باطلہ کا بھی ہے۔اس لیے ہرگز وہ اہلِ حدیث نہیں بلکہ دہابی، غیر مقلد، گمراہ، گمراہ گر بد عقیدہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۵)۔ ہمارے پاس قرآن پاک کی (سی ڈی) یا (ڈی وی ڈی) ہے تو کیا اس کو ہم بے وضو یا بے غسل چھوسکتے ہیں جبکہ ان کے حروف ظاہر نہیں ہوتے لیکن کمپیوٹر پر وہ دکھتے ہیں؟

جواب: ادب یہ ہے کہ اس کو بے وضو نہیں چھونا چاہیے، ہاں اگر وہ غلاف میں ہے یعنی بکس میں ہے تو اس کو بکس کے ساتھ چھوسکتے ہیں اور پکڑ سکتے ہیں۔لیکن اگر سی، ڈی کو بکس سے نکالنا ہو تو باوضو رہنا چاہیے۔کیوں کہ ان حروف کو دیکھیں یا نہ دیکھیں لیکن ہم کو تو اتنا معلوم ہے کہ اس کے اندر قرآنِ پاک کے حروف منقوش ہیں۔لہٰذا احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ اگر بے وضو ہیں تو اس کپڑے اور رومال وغیرہ کے سہارے چھوئیں جو پہنے نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۶)۔ اگر قرآن مجید بوسیدہ ہو جائے اور اس کے اوراق بکھر رہے ہوں تو کیا اس کو پانی میں بہا دینا چاہیے؟

جواب: اس کو پانی میں نہیں بہانا چاہیے، بلکہ اس کو پاک جگہ ادب و احترام کے ساتھ دفن کر دینا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۷)۔ کمپیوٹر کی اسکرین پر قرآن پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۸)۔ او، بی، سی، سرٹیفکیٹ یعنی ذات پر ماڑ پتر بنوانا کیسا ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں، بنوا سکتے ہیں۔کیوں کہ یہ تقسیم اور بٹوارہ آپ نے نہیں کیا ہے، حکومت نے کیا ہے، حکومت نے یہ بٹوارہ پسماندہ قوموں کو مالی امداد فراہم کرنے اور ان کو اوپر اٹھانے کے لیے کیا ہے ہاں پسماندگی کی بنیاد ذات برادری پر رکھی ہے جب کہ دوسری برادری میں بھی پسماندہ لوگ پائے جاتے ہیں۔امیر، غریب کا بٹوارہ شریعت نے بھی کیا ہے، مثلاً زکات کا حکم یہ ہے کہ وہ غریب و فقیر مسلمانوں کو دی جائے، امیروں کو نہ دی جائے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ جب مسلمان، مسلمان برابر ہیں تو سب کو دینا چاہیے صرف غریبوں اور فقیروں کو ہی دینے کا حکم کیوں ہوا۔ مگر یہ سوچ درست نہیں کہ مسلمان، مسلمان ضرور برابر ہیں مگر غنی و محتاج تو برابر نہیں، فقیر و امیر تو برابر نہیں یہ امداد کا مسئلہ ہے اور اس میں سب برابر نہیں کہ جو غنی و مالدار ہیں انھیں امدادِ مالی کی حاجت نہیں اور جو فقیر و محتاج ہیں انھیں حاجت ہے۔ ہاں! جن معاملات میں تمام مسلمان برابر ہیں وہ پانچ چیزیں ہیں: (۱) جان کی حفاظت (۲) مال کی حفاظت (۳) عقل کی حفاظت (۴) نسب کی حفاظت (۵) دین کی حفاظت۔ ان پانچ چیزوں میں سبھی مسلمان برابر ہیں۔

غریبی اور امیری کا بٹوارہ تو خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔اس لیے اگر ہم مدد کریں گے تو سب سے پہلے غریب کی مدد کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۴۹)۔ کیا فرماتے ہیں علمائے ذوی الاحترام اس بارے میں کہ کیا کم پڑھا لکھا آدمی عمامہ شریف نہیں باندھ سکتا؟

جواب: عمامہ تو مسلمان کا اسلامی لباس ہے، جو بھی مسلمان ہے اس کا لباس یہی ہے کہ وہ ٹوپی لگائے اور ٹوپی کے اوپر عمامہ شریف باندھے۔لہٰذا جو بھی مسلمان ہے وہ عمامہ شریف باندھ سکتا ہے، اس میں عالم اور مفتی کی قید نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۰)۔ اس عورت کا کیا حکم ہے جو اپنے بالوں کو گھنگھریالے بناتی ہے اور کلر کرتی ہے۔

جواب: عورتوں کو اپنے بال گھنگھریالے نہیں بنانے چاہیے، ویسے شریعتِ مطہرہ میں اسکے تعلق سے کوئی خاص حکم یا نص وارد نہیں لیکن عام طور پر یہ طریقہ مردوں کا ہے۔

اور مردوں سے عورتوں کے مشابہت اختیار کرنے کو شریعت نے منع فرمایا۔ عورتوں کو مردانہ وضع اختیار کرنے اور ان کے ساتھ مشابہت سے حدیثِ پاک میں منع کیا گیا ہے۔

رہ گیا کلر کا مسئلہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ سفید بالوں کو کالا کرنا حرام ہے اور کالے کے سوا کسی اور کلر میں رنگنا جائز ہے بشرطیکہ بالوں پر تہ نہ جمے۔ تہ جمے گی تو جب تک چھوٹ نہ جائے عورت غسل سے پاک نہ ہوگی۔ اور اگر ہیروئینوں کی دیکھا دیکھی کالے بالوں کو کسی رنگ میں رنگنا ہو تو یہ ان سے مشابہت کی وجہ سے بھی مکروہ و ناجائز ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من تشبه بقوم فهو منهم.

جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انھی میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۱)۔ سونے چاندی کے زیورات کے علاوہ اور دیگر دھاتوں کے زیورات پہننا عورتوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سونے، چاندی اور کانچ کے سوا دیگر دھات کے زیورات عورتوں کے لیے خود بھی پہننا ناجائز ہے اور اپنی چھوٹی بچیوں کو پہنانا بھی ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۲)۔ سونے یا چاندی کے دانت لگانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کسی کے دانت ٹوٹ گئے ہیں تو اسے اس کی اجازت ہے کہ وہ سونے یا چاندی کے دانت لگوا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۳)۔ کن چیزوں کے زیورات عورتوں کو جائز اور مردوں کو حرام ہیں۔ قرآن وسنت سے مطلع کریں؟

جواب: زیورات مردوں کے لیے مطلقاً حرام ہیں خواہ سونے چاندی کے ہوں یا کسی اور دھات یا کانچ کے۔ زیور سے مقصود صرف زینت و آرائش ہوتا ہے اور زینت و آرائش صرف عورتوں کو زیب دیتی ہے نہ کہ مردوں کو۔ اور عورتوں کو بھی دھات سے بنی اشیا میں صرف سونے چاندی کے زیورات جائز ہیں اور سونے چاندی کے سوا ناجائز و گناہ ہیں ہاں مردوں کے لیے چاندی کی ایک انگوٹھی جو ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن رکھتی ہو

بلفظ دیگر وہ ساڑھے چار گرام تک ہو یا اس سے کم۔ اس کی اجازت ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رسول پیتل کی انگوٹھی پہن کر بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے۔ سرکار نے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ تم سے بت کی بو آرہی ہے، انھوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی، پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر آئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم جہنمیوں کا زیور پہنے ہوئے ہو، اسے بھی پھینکا اور عرض کی یارسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ فرمایا چاندی کی بناؤ اور ایک مثقال (ساڑھے چار ماشہ) پورا نہ کرو۔

اس سے ہمارے علمانے مسئلہ نکالا کہ جب حضور ﷺ عورتوں کے لیے ریشم اور سونے کو حلال فرمارہے ہیں اور چاندی کو بھی جائز فرمارہے ہیں لیکن دھات میں پیتل [1] اور لوہے سے منع فرمارہے ہیں تو پتہ چلا کہ زیورات میں سونا اور چاندی عورتوں کے لیے حلال ہے مگر دوسری دھات کے زیورات حرام ہیں اور مردوں کے لیے سونا اور چاندی دونوں حرام ہیں لیکن چاندی کی ایک انگوٹھی جو ساڑھے چار گرام کی ہو مباح ہے۔

واضح ہو کہ اس وزن میں انگوٹھی کا نگ شامل نہیں، چاندی ساڑھے چار گرام تک مباح ہے اور ایک انگوٹھی میں نگ بھی ایک ہی رہنا چاہیے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

سوال نمبر (۱۵۴)۔ کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کہ بالوں کا وگ (نقلی بال) پہننا یا بالوں کو جوڑنا کیسا ہے۔ جیسے عورتیں اپنے بالوں میں نقلی بال جوڑ کر بڑھاتی ہیں۔ وہ نا کلن کا مصنوعی ہوتا ہے؟

---

(۱) (۱) حدیثِ پاک میں ہے:

خرج علینا رسول اللہ ﷺ وفی احدی یدیه ثوب من حریر و فی الاخریٰ ذهب، فقال: ان هذین محرم علی ذکور امتی حل لاناثهم (سنن ابن ماجه، ص: ۲۵۷)

(۲) درمختار میں ہے:

ولا یتختم الا بفضة لحصول الاستغناء بها، فیحرم بغیرها کلحجر و حدید و صفر ولا یزیده علی مثقال اهـ (ج: ۹، ص: ۴۳۷، مکتبہ زکریا)

جواب: نائیلن کے مصنوعی بال سے بچنا چاہیے، شریعت مطہرہ نے اس سے کوئی ممانعت نہیں فرمائی ہے تاہم جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہیے البتہ انسان کا بال اپنے بالوں میں لگا کر بڑھانا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے اور ایسے لوگوں پر لعنت بھی فرمائی ہے۔ ہاں سر میں بالوں کی کاشت ناجائز ہے کہ یہ بلا حاجت شرعی ضرر رسانی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۵)- کیا حکم ہے اس بارے میں کہ آنکھوں میں جو لینس پہنتے ہیں آج کل مختلف کلرس (colours) کی لینس آتی ہے جس سے آنکھیں رنگین نظر آتی ہیں تو کیا اس کا پہننا جائز ہے؟

جواب: یہ بلاوجہ آنکھوں کو رنگین بناتا ہے جس کی شرعاً کوئی حاجت نہیں ہے اور یہ ایک لغو کام بھی ہے پھر کبھی کبھار اس لینس سے آنکھوں کو تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۶)- کیا حکم ہے اس بارے میں کہ نعلین مبارک کا نقش کبھی چاندی اور کبھی دیگر دھات کا ہوتا ہے اس کا لگانا کیسا ہے؟

جواب: حضور سید عالم ﷺ کے نعلین شریفین کی شبیہ یا نقشہ بطور تبرک کپڑے میں لٹکانا ممنوع نہیں، میری نگاہ میں حصولِ برکت کے لیے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۷)- کیا حکم ہے اس بارے میں کہ کچھ لوگ داڑھی بہت مختصر رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میری داڑھی ہے۔ تو آخر داڑھی کسے کہتے ہیں؟

جواب: یہ ان کی داڑھی تو ہو سکتی ہے لیکن ایک کامل مسلمان کی داڑھی نہیں ہو سکتی ہے ایک مومن کامل کی داڑھی تو وہی ہے جو پیارے آقا ﷺ کی سنت اور آپ کے طریقے کے مطابق ہو اور آقا کا طریقہ یہ ہے کہ داڑھی کم از کم ایک مشت ہو اس سے زیادہ ہو تو

کوئی حرج نہیں لیکن طول فاحش نہ ہو کہ چہرہ بھیانک ہو جائے اور بچے دیکھیں تو ڈریں۔ (۱)
اگر داڑھی کٹانے سے ایک مشت سے کم ہوگی تو خلاف سنت ہے اور باعث گناہ ہے، صحیح البخاری میں ہے:

عن ابن عباس عن النبي ﷺ قال: خالفوا المشركين، وفروا اللحى وأحفوا الشوارب، وكان ابن عمر اذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو، اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو، ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ فرماتے تو اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ لیتے اور جو بال مٹھی سے زائد ہوتے انھیں کم کر دیتے۔
حضور ﷺ جس کام کا حکم دیں وہ واجب ہو جاتا ہے اس لیے داڑھی بڑھانا واجب ہوا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شاہد ہے کہ یہ وجوب ایک مشت کی حد تک ہے اور اس سے فاضل بال کاٹ دینا سنت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۵۸)- کیا حکم ہے شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں کہ بولی لگا کر بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، اس کو "نیلامی بیع" کہتے ہیں اس کا ثبوت حدیث پاک سے ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں آئے ان کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کون اس پیالے کو خریدتا ہے؟ ایک صحابی کھڑے ہوئے انھوں نے عرض کیا کہ میں اس کو ایک روپئے میں خریدتا ہوں۔ سرکار نے فرمایا اس سے زیادہ کون قیمت دے گا؟ ایک دوسرے صحابی نے عرض کیا کہ میں اس کی قیمت دو درہم دیتا ہوں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا تو یہ تمہارے لیے ہے پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

(۱) فتاویٰ رضویہ میں ہے: حدِ شرع سے کم داڑھی رکھنا، خلافِ شرع اور مجوسیوں کی سنت ہے اور نصرانیوں کی علامت ہے، آدمی اس سے گنہگار ہوتا ہے اور اس کی عادت رکھنے سے فاسق ہو جاتا ہے (ج:۲۲، ص:۴۹)
(۲) صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب تقليم الاظفار، ج: ٢، ص: ٨٧٥

ان سے دو روپے لے لیے اور اس پیالے کو ان کے ہاتھ بیچ دیا۔ لہٰذا بولی لگا کر بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

سوال نمبر(۱۵۹)۔ منگل سوتر عورتوں کو پہننا کیسا ہے؟

جواب: اگر یہ زیور کسی علاقے میں غیر مسلم عورتوں کا شعار ہو کہ اس علاقے میں وہی پہنتی ہیں، اور کوئی عورت منگل سوتر پہنتی ہوئی دکھے تو یہ سمجھا جائے کہ وہ غیر مسلم ہے تو اس علاقے میں مسلمہ عورتوں کو منگل سوتر پہننا مکروہ وناجائز ہے کہ حدیث میں ہے کہ: من تشبہ بقوم فھو منھم۔

اور جن علاقوں میں یہ غیر مسلم عورتوں کا شعار نہ ہو تو وہاں مسلمان عورتوں کو ایسا زیور پہننا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں کہ زیور بجائے خود مباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر(۱۶۰)۔ کیا وائس ایپ سے قرآن کی آیت شیئر نہیں کر سکتے؟

جواب: استدلال وغیرہ کی ضرورت ہو تو آیت قرآنی کو سینڈ کر سکتے ہیں اور تلاوت مقصود ہو تو پورا قرآن پاک محفوظ کر سکتے ہیں اور کوئی فرمائش کرے تو اس کے موبائل میں بھیج بھی سکتے ہیں ہاں استدلال اور تلاوت وغیرہ کی ضرورت نہ ہو تو بچنا چاہیے تاکہ وہ محو سے محفوظ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر(۱۶۱)۔ کیا اس آیت کو مٹانا قرآن کو مٹانا ہے؟

جواب: موبائل کے حروف "شعاعی حروف" ہوتے ہیں موبائل اُوور لوڈ (Over Load) ہو جائے تو شعاعی حروف کو محو کر دینے میں حرج نہیں، بچیں تو بہتر ہے فتاویٰ عالمگیری میں اس کے متعلق جزئیہ موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر(۱۶۲)۔ عورت تانبے، پیتل اور دھاتوں کا بنا زیور پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں۔ مکروہ ہے یا مکروہ تحریمی ہے، یا حرام ہے۔

(۱) ہدایہ اخیرین میں ہے:
ولا باس ببیع من یزید... وقد صح ان النبی ﷺ باع قدحاً وحلساً ببیع من یزید.اھ (ص: ۵۱، فصل فیما یکرہ)

جواب: عورت کو سونے چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کا زیور پہننا حرام و گناہ ہے اور ایسا زیور پہن کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور عورت پر واجب ہوگا کہ ایسے تمام زیورات اتار کر دوبارہ نماز پڑھے، ساتھ ہی توبہ بھی کرے اور آئندہ ایسے زیورات سے بچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر(۱۶۳)۔ کیا حضور نبی کریم ﷺ نے یا آپ کے صحابہ نے بھی مرغ کا گوشت تناول کیا ہے؟ وہ تو گھن کی چیزوں سے بھی نہیں بچتا۔

جواب: ہاں حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے بعض صحابہ سے مرغ کھانا ثابت ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

عن ابی قلابة، عن زهدم، قال: لما قدم ابو موسیٰ اکرم هذا الحی من جرم، وانا لجلوس عنده وهو یتغدیٰ دجاجا، وفی القوم رجل جالس، فدعاه الی الغداء.

فقال: انی رأیته، یاکل شیئا فقذرته، قال: هلم، فانی رأیت النبی صلی الله علیه وسلم یاکله.(۱)

ترجمہ: ابو قلابہ سے روایت ہے کہ زہدم جرمی نے بیان کیا کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری (خلافت عثمانی میں کوفہ کے حاکم بن کر) آئے تو انھوں نے قبیلہ جرم کے لوگوں کا اکرام کیا ہم لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ صبح کے کھانے میں مرغ تناول فرما رہے تھے اور وہاں لوگوں میں ایک اور آدمی بیٹھا ہوا تھا انھوں نے اس کو بھی کھانے کے لیے بلایا، اس نے کہا میں نے اس مرغ کو گندی چیز کھاتے ہوئے دیکھا ہے تو مجھے اس سے گھن آتی ہے حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا: آؤ۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو مرغ کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ اور آپ کے بعض

(۱) صحیح البخاری، ج:۲، ص:۶۲۹، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعر یین واهل الیمن، مجلس برکات

صحابہ نے مرغ تناول فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر(۱۴۴)۔ حضرت کیا عمرہ کا کپڑا کفن بنا سکتے ہیں؟

جواب: بنا سکتے ہیں، جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر(۱۴۵)۔ حضور میں آپ سے مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج کل جو لوگ ہیپی نیو ایئر (Happy New Year) کہتے ہیں۔ ہیپی نیو ایئر کہنا کیسا ہے اور اگر کوئی شخص فیس بک پہ یا واٹ شپ پہ کسی کو ہیپی نیو ایئر کہتا ہے تو کیا ہیپی نیو ایئر کہنا کوئی گناہ ہے اور اگر گناہ نہیں تو کیا حدیث یا قرآن سے ثابت ہے کہ ہم نئے سال کی مبارک باد کسی کو دے سکتے ہیں؟

جواب: نئے سال کی مبارک باد دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سال آپ کے لئے مبارک رہے، خیر سے گزرے۔ یہ جائز ہے کہ دعائے خیر ہے۔ ہاں اگر کوئی انگریزوں کے بنائے ہوئے ماہ وسال کی تعظیم کے لیے کہے تو مکروہ ہے مگر عام طور پہ مسلمان یہ نیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا مقصد دعائے خیر ہوتا ہے اور اس میں کوئی مضایقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر(۱۴۶)۔ حضور میرا سوال ہے کہ عورتوں کو لپسٹک لگانا کیسا ہے۔ کیا یہ شرعی طور سے حرام و گناہ ہے یا پھر اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: لپسٹک لگانا جائز ہے۔ سنا ہے کہ اس میں الکوہل کی آمیزش ہوتی ہے اس لیے بچنا بہتر ہے اور تحقیق سے یہ آمیزش ثابت ہو جائے تو اس کا استعمال حرام و گناہ ہے۔

جائز خلاف اولیٰ ہونے کی صورت میں بھی یہ فرض ہے کہ جنبی اور بے وضو عورت اور وضو کے وقت اسے اچھی طرح چھڑا کر ہونٹ کو صاف کر لیں ورنہ وضو ہوگا نہ غسل کیوں کہ لپسٹک سے ہونٹ پر نہ جم جاتی ہے جس کے باعث وہاں پانی نہیں پہنچے گا تو وہ پاک بھی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴

متفرق ابواب کے مسائل

سوال نمبر(۱۴۷)۔ جائداد کی تقسیم کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: یہ سوال بہت مجمل ہے، اور بہت تفصیل طلب ہے۔ مختصراً یہ کہ جائداد کی تقسیم کبھی باپ اپنی زندگی میں کرتا ہے، کبھی اس کی وفات کے بعد وارثین کرتے ہیں، باپ اگر اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں تقسیم کرے تو حکم یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی سب کو برابر تقسیم کرے، کسی کو کم اور زیادہ نہ دے۔ ارشادِ رسالت ہے:

فاتقوا اللہ ، واعدلوا بین اولادکم۔[1]

اللہ سے ڈرو اور اپنی سب اولاد کو برابر برابر دو۔

یہ افضل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جتنا لڑکے کو دے اس کا نصف لڑکی کو دے۔

اور اگر باپ کا انتقال ہو گیا اور اس نے اپنی اولاد میں صرف لڑکوں کو چھوڑا ہے، بیوی اور بیٹی وغیرہ کوئی دوسرا اس کا وارث نہیں تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ ترکہ میں جو بھی مال ہے وہ پیشگی حقوق کی ادائگی کے بعد ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا۔ اور اگر بیٹوں کے ساتھ بیٹی بھی ہے، تو بٹوارہ اس طور پر ہوگا کہ ہر لڑکے کو جتنا ملے گا لڑکی کو اس کا آدھا ملے گا۔ اور اگر ان کے ساتھ ماں باپ بھی ہوں تو تقسیم کی صورت بدل جائے گی آسان راستہ یہ ہے کہ جب کبھی جائداد کی تقسیم کی حاجت درپیش ہو تو قریبی دارالافتا سے رجوع کر کے وارثوں کے حصے معلوم کر لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) مشکوۃ المصابیح۔

سوال نمبر (۴۸)۔ دور حاضر میں قاضی کون ہوسکتا ہے؟ نیز قاضی مقرر کرنے کا اختیار کس کو ہے؟ (۱)

جواب: قاضی مقرر کرنا بادشاہِ اسلام کا کام ہے، ہندوستان میں بادشاہ اسلام کوئی نہیں، پھر قاضی کون ہو اور قضا سے متعلق کام کیسے انجام پائیں؟ اس سلسلے میں ہم فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ایک مبارک فتوے کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ امیر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک امیرِ قہری اور دوسرا امیرِ اختیاری۔

امیر اختیاری وہ لوگ ہیں جو کسی پر اپنے احکام جاری کرنے کا اختیار نہیں رکھتے مگر احکام بتادیتے ہیں، ہاں لوگوں پر لازم ہے کہ ان کے بتائے ہوئے احکام کی پیروی کریں اور اسی کے مطابق عمل کریں۔

قرآن پاک میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (۲)

یعنی: اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول کی اور اطاعت کرو اولوالامر کی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "اولوالامر" سے مراد اصح اقوال پر علما ہیں۔ اب اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ حکم مانو اللہ کا حکم مانو رسول اللہ کا اور حکم مانو علما کا۔ اس آیت میں اللہ رب العزت نے علما کو قاضی اور امیر کا درجہ دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جو اپنے علاقے کا سب سے بڑا فقہ کا عالم ہو، اور دینی مسائل میں لوگ اس کی جانب رجوع کرتے ہوں اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے ہوں وہی عالم اپنے علاقے کا قاضی ہے، وہ کسی کے قاضی بنانے کا محتاج نہیں، بلکہ وہ منتخب بہ انتخاب الٰہی ہے، یعنی اللہ نے اسے امیر شریعت کی حیثیت سے اور قاضی شریعت کی حیثیت سے وہاں کے لیے منتخب فرمالیا ہے، اب لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کے انتخاب کے آگے سر تسلیم خم کریں اور اس کو قبول کریں۔

(۱) یہ سوال کچھ مزید تفصیل کے ساتھ پیراکنک ضلع کشی نگر کے ایک اہم اجلاس منعقدہ ۲۰۱۵ء میں عرسِ ابوبی کے موقع پر پیش ہوا تھا۔

(۲) القرآن الحکیم، الآیۃ: ۵۹، النساء: ٤.

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر فقہی بصیرت میں کئی ایک علما اکٹھا ہوجائیں تو جو سب سے بڑا عالم ہو اس کی پیروی کی جائے، اس کے ثبوت میں "الحدیقۃ الندیۃ" کی یہ عبارت پیش فرمائی:

اذا خلی الزمان عن سلطان ذی كفاية فالامور مؤكلة الى العلماء، فان كثروا فالمتبع أعلمهم.

یعنی جب سلطان اسلام سے زمانہ خالی ہوجائے تو دینی امور علما کی جانب منتقل ہوجائیں گے (یعنی قضا اور امارت کی ذمہ داری علما کی ہوگی) اگر متعدد علما جمع ہوجائیں تو جو سب سے بڑا فقیہ ہے وہ قاضی ہوگا۔ (۱)

اللہ کا شکر ہے، تحدیث نعمت کے طور پر میں اس بات کا اظہار کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے میں یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ (۲)

واقعہ یہ ہے کہ ۲۲؍ فروری ۱۹۸۶ء کو انجمن اسلامیہ، کسیا، ضلع کشی نگر کے ذمہ داروں نے دار القضا کے قیام اور قاضی کے انتخاب کے تعلق سے ایک بہت ہی عظیم اجلاس کا انعقاد کیا جس میں ہزارہا عوام الناس اور کثیر علمائے کرام کا اجتماع ہوا، مجھے بھی دعوت تھی، میں بھی مبارک پور سے شرکت کے لیے حاضر ہوا، بعد نماز ظہر جب علما کی نشست منعقد ہوئی تو پہلا ایجنڈہ یہ پیش ہوا کہ سب سے پہلے قاضی کی حیثیت سے کسی کا انتخاب کر لیا جائے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہر عالم اور ہر امام ایک ہی شخص کو سوچ کر آیا ہو، اس کے علاوہ نہ کسی کو جانتا ہو اور نہ ہی کچھ سوچا ہو، جس آدمی کا نام قاضی شریعت کی حیثیت سے تمام علما و ائمہ نے پیش کیا وہ آپ کا خادم محمد نظام الدین

(۱) اعلیٰ حضرت کا مذکورہ فتویٰ "فتاوی رضویہ" سنی دار الاشاعت مبارک پور و رضا اکیڈمی ممبئی ج:۶، ص: ۱۱، ۱۲ پر موجود ہے۔

(۲) یہ سوال پیراکنک ضلع کشی نگر کے ایک اہم اجلاس منعقدہ ۲۰۱۵ء میں عرسِ ابوبی کے موقع پر کچھ اعتراض کے ساتھ پیش ہوا تھا، اس لیے حضرت سراج الفقہا نے کوئی تیس سال بعد یہ وضاحت فرمائی اور وقت حاجت بیان واقعہ و تحدیث نعمت کے طور پر شرعاً اس طرح کے اظہار کی اجازت ہے جیسا کہ انی حفیظ علیم وغیرہ نصوص اس کے شاہد ہیں۔ مرتب غفرلہ

رضوی ہے، میں نے بار بار انکار کیا کہ میں بہت مصروف ہوں، جامعہ اشرفیہ میں تدریس اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں میرے سر ہیں اس لیے میں وقت نہیں نکال سکتا، علما اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا آخر کار علمائے کرام نے یہ کہہ کر مجلس برخاست کی کہ اس معاملے میں آپ کو مثبت انداز میں غور کر لینا چاہیے۔ بعد مغرب پھر دوسری نشست ہوگی۔

مغرب کے وقت حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ و مولانا شفیع احمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ جو اس وقت گورکھپور کمشنری کے قاضی تھے تشریف لائے، علمائے کرام ان حضرات سے ملے اور حقیقتِ حال سے انھیں آگاہ کیا، ان حضرات نے مجھے بلایا اور بالخصوص حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے مجھ سے پوچھا کیوں انکار کرتے ہو؟ میں نے عذر پیش کیا اور اپنی مصروفیات بیان کیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر اور اس کی ذات پر بھروسہ کرکے قبول کر لو، اس مشکل کے لیے کوئی حل نکال لیا جائے گا۔

میرے استاذِ جلیل کی بات تھی اور میرے دوسرے استاذ قاضیِ شریعت مولانا محمد شفیع احمد صاحب علیہ الرحمہ نے اس کی تائید فرمادی تھی اس لیے میں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اس پر دونوں حضرات بہت مسرور ہوئے اور مجھے دعائیں دیں۔ جب بعد مغرب مجلس علما منعقد ہوئی اور میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ تو موجودہ حضرات کے چہرے پر خوشیوں کی لہر دوڑ گئی، اور سب بہت مسرور ہوئے۔

اب آپ غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ حسنِ انتخاب تھا کہ اس نے سب علما، ائمہ اور عوام کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ایک ہی شخص کے قاضی بنانے پر متفق ہو گئے، اسے کہتے ہیں "منتخب بہ انتخابِ الٰہی۔"

بعد نماز عشا جب علمائے کرام بالخصوص حضرت بحر العلوم نے میرے قاضی ہونے کا اعلان کیا، پھر کیا تھا نعرۂ تکبیر و رسالت کی صدائیں دیر تک گونجتی رہیں اور میرے اوپر ہر چہار جانب سے پھولوں کی بارش ہونے لگی، اور لوگوں نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا اس اجلاس میں گورکھپور، دیوریا، مہراج گنج اور کشی نگر کے ہزاروں عوام الناس، اربابِ حل و عقد اور علمائے کرام شریک رہے اور سب نے بیک زبان تائید کی۔

سوال نمبر (۱۶۹)- ہر جگہ موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے، آخر ہندوستان میں موئے مبارک کیسے آئے؟

جواب: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ساحلی علاقوں سے مختلف علاقوں میں ہندوستان تشریف لائے، انھی کے ذریعہ اسلام کا آفتاب ہندوستان میں طلوع ہوا، اور گمان غالب ہے کہ انھی حضرات کے ذریعے سرکارِ دوعالم ﷺ کے موئے مبارک یہاں پہنچے۔ اس کے علاوہ، بہت سارے لوگ حج کے لیے جاتے تھے وہاں پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دیگر مشائخ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں سرکارِ دوعالم ﷺ کے موئے مبارک تبرک کے طور پر عطا کیے جو دست بدست ہم تک پہنچے اور ان خوش عقیدہ مسلمانوں نے انھیں اپنے پاس محفوظ رکھا جن کی زیارت ہر صاحبِ محبت مسلمان کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۰)- سگریٹ پینا کیسا ہے؟

جواب: اس سے منہ خراب ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے منہ سے ایک خاص قسم کی بدبو پیدا ہوتی ہے، یہ اپنے پیسوں کو برباد کرنا اور آگ سے جلانا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے منہ کو بدبودار بھی کرنا ہے۔ اگر منہ میں بدبو ہے اور اس طرح مسجد میں جائیں تو اغل بغل والے نمازیوں کو اور فرشتوں کو تکلیف ہوگی۔ لہٰذا جو لوگ سگریٹ پیتے ہیں وہ اولاً اس سے باز آئیں اور اگر کسی وجہ سے باز نہیں آسکتے تو انھیں چاہیے کہ نماز سے ۳۰، ۴۰ منٹ پہلے پی کر خوب اچھی طرح مسواک وغیرہ کرکے منہ صاف کر لیں تاکہ بدبو اچھی طرح ختم ہو جائے اور اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۱)- ایک بے داڑھی والا اگر داڑھی والے کو سلام کرے تو کیا داڑھی والے کو یہ اختیار ہے کہ اس کا جواب نہ دے؟

جواب: ایک بے داڑھی والا اگر داڑھی والے کو سلام کرے تو داڑھی والے کو یہ اختیار نہیں کہ اس کا جواب نہ دے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ اتنی زور سے جواب دے کہ وہ سن لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۲)- کسی نے قسم کھا کر توڑ دی، تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: کسی نے قسم کھاکر توڑ دی تو اس پر کفارہ واجب ہے۔ کفارہ کی تفصیل یہ ہے کہ قسم توڑنے والا اگر صاحبِ استطاعت ہے تو وہ دس مسکینوں کو صبح و شام بھر پیٹ کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنائے اور اگر قسم توڑنے والا صاحبِ استطاعت نہیں تو وہ تین دن روزے رکھ لے، اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۴)۔ کیا اللہ تبارک و تعالیٰ کو " آپ " کہہ سکتے ہیں؟

جواب: جہاں تک جائز ہونے کی بات ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال آج کل بدمذہبوں کی پہچان بن چکا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے "آپ" کا استعمال کرتے ہیں اور جو چیز غیروں کا شعار بن جائے اسے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگر وہی لفظ آپ بولیں گے تو مشتبہ ہو جائیں گے لہٰذا اس کے استعمال سے بچیں۔

تقریبِ فہم کے لیے اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ [1]

یعنی اللہ، رسول اور مسلمانوں کے لیے عزت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے لیے "عزوجل" کا استعمال عام و شائع ہے، اب اگر کوئی حضور ﷺ کے لیے یا کسی عام مسلمان کے لیے "عزوجل" کا استعمال کرے تو یہ ہرگز جائز نہ ہوگا کیونکہ عرف میں "عزوجل" کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

یوں ہی سمجھ لیجیے آج کے عرف میں اللہ تعالیٰ کے لیے "آپ" یا "فرماتے ہیں" کہنا ہم اہلِ سنت کے لیے درست نہیں دراصل جائز ہے مگر ایک خارجی مانع کے باعث اس کے بولنے سے احتراز چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۴)۔ کچھ لوگ بھیک مانگ کر کھاتے ہیں، اب اس وقت ان کے پاس بہت زیادہ پیسے ہو گئے ہیں تو کیا وہ ان پیسوں سے فاتحہ دلا سکتے ہیں، حج کر سکتے ہیں اور چندہ وغیرہ نیک کام میں لگا سکتے ہیں؟

---

(۱) القرآن الحکیم، الأیۃ: ۱۱، المنافقون: ٦٣.

جواب: یہ مسئلہ تھوڑا تفصیل طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ بھیک مانگنے کے قابل نہیں ہیں اور اس کے حق دار بھی نہیں، تو ایسے لوگوں کو بھیک مانگنا اور علم ہو تو انھیں بھیک دینا حرام ہے، وہ اس کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔ لیکن فقیروں جیسی صورت بناکر انھوں نے لوگوں سے جو مانگا ہے اور لوگوں نے فقیر و محتاج سمجھ کر دے دیا ہے، تو لوگوں کا یہ دینا درست ہوگا اور چوں کہ یہ مال پاک ہے اس لیے اس کا فاتحہ دلانا اور اسے کھانا جائز ہونا چاہیے اس سے حج و عمرہ کر سکتے ہیں اور مدرسہ وغیرہ کو چندہ بھی دے سکتے ہیں اور نیک کام میں بھی لگا سکتے ہیں، مگر ان کا جو فعل ہے "بھیک مانگنا" وہ جائز نہیں ایسے لوگوں کے لیے حدیث نبوی میں وعید وارد ہے۔ اور جو لوگ بھیک مانگنے کے لائق مسکین، نادار ہیں ان کا بھیک مانگنا بھی جائز اور ان کے جمع کردہ مال پر فاتحہ دینا بھی جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۵)۔ زمین گول ہے یا چپٹی؟ سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ زمین حرکت میں ہے اور وہ گول ہے، تو قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

جواب: جہاں تک زمین کے گول ہونے کا سوال ہے تو یہ ہمارے مشاہدے میں ہے انسان جب غور کرتا ہے تو جان لیتا ہے کہ زمین نارنگی کی طرح گول ہے، یہ عقیدہ نہ تو قرآنِ پاک کے خلاف ہے، نہ حدیثِ پاک کے خلاف ہے اور نہ ہی فقہ کے خلاف ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ زمین چلتی ہے اور سورج ٹھہرا ہوا ہے تو یہ غلط ہے۔ قرآنِ پاک کے مطابق سورج چل رہا ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں اور زمین ٹھہری ہوئی ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو سائنس کا یہ نظریہ اسلام کے مسلم الثبوت عقیدے کے خلاف ہے۔ وہ سائنس کا نظریہ ہے اور یہ ہمارا ٹھوس عقیدہ ہے۔ ان کے بہت سے نظریات ہیں جو قائم ہوتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں لہٰذا ان کے ایسے نظریے کا کوئی اعتبار نہیں۔ آج وہ یہ کہہ رہے ہیں اور کل کوئی سائنس دان آئے گا اور وہ اپنی تحقیق پیش کرے گا کہ حق وہی ہے جو اسلام نے کہا ہے۔

سائنس کے نظریے کو کیا کہیں گے، ابھی تک جدید تحقیق کی بنیاد پر وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ جس انسان کو ہم دیکھ رہے ہیں یہ انسان حقیقت میں بندر تھا۔ حالانکہ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اپنے مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں کہتے ہیں، جب کہ انھوں نے ابھی

تک یہ ثابت نہیں کیا ہے کہ انھوں نے کسی بندر کو انسان بنتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا تجربہ کیا ہے کہ بندر انسان بن گیا ہو۔ لہٰذا حق وہی ہے جو قرآن و حدیث کا نظریہ ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج متحرک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۶)- موبائل میں کالر ٹون کی جگہ قرآن مجید کی قراءت یا نعتِ نبی رکھی جائے تو اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

جواب: کالر ٹون کی جگہ قرآن مجید کی قراءت یا نعتِ نبی کا نغمہ سیٹ کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً موبائل سے گھنٹی کی جگہ قرآن پاک کی آواز سننے میں آئے اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں، یہی حکم رنگ ٹون کا بھی ہے البتہ استنجا خانے یا غسل خانے میں یا جو بے ادبی کی جگہیں ہیں وہاں ذکرِ الٰہی، نعتِ نبی یا تلاوتِ قرآن مجید منع ہے، ناجائز ہے اس لیے رِنگ ٹون کی عام اجازت نہیں دی جا سکتی، بلکہ جو محتاط ہیں اور ان مسائل شرعیہ سے واقف ہیں ان کو اجازت ہے کہ وہ ایسی جگہوں پر جانے سے پہلے موبائل کا سوئچ آف کر لیتے ہیں، عوام بھی اگر سوئچ آف کر کے جانے کا التزام کریں تو انھیں بھی اجازت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۷)- موبائل کی اسکرین پر گنبدِ خضرا، کعبہ شریف کی تصویر، اسم جلالت یا نامِ مصطفیٰ ﷺ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: موبائل کو اگر کسی چیز میں چھپا کر رکھیں تو رکھ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ چھپا کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو غلاف وغیرہ میں رکھیں، غلاف چمڑے کا ہو یا پلاسٹیک وغیرہ کا۔ لیکن اگر غلاف میں نہیں تو ایسی صورت میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بے ادبی کی جگہ نہ لے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال نمبر (۱۷۸)- اگر ہم نے کسی کو قرض دیا ۱۰۰۰ر روپے۔ اس کے بعد ہم نے کہا، اگر آپ کے پاس ہو جائے تو دے دیجیے گا نہ ہو تو نہ دیجیے گا، اس کو کیا کہتے ہیں؟

جواب: اس کو قرضِ حسن اور احسان و رحم دلی کہتے ہیں۔ قرض دار کو اس کی تنگ دستی کی وجہ سے مہلت دینا اور معاف کر دینا اس کے ساتھ احسان و مہربانی ہے اور یہ در اصل حکم قرآنی پر عمل ہے جو باعث اجر و ثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: اور اگر مدیون تنگدست ہے تو وسعت آنے تک اسے مہلت دو اور صدقہ کرو (معاف کر دو) تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

بہار شریعت میں اس سلسلے میں بہت کی احادیث منقول ہیں چند یہ ہیں:

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص (زمانہ گزشتہ میں) لوگوں کو ادھار دیا کرتا تھا اور اپنے غلام سے کہا کرتا جب کسی تنگدست، مدیون کے پاس جانا تو اس کو معاف کر دینا اس امید پر کہ خدا ہم کو معاف کر دے، جب اس کا انتقال ہوا اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔[۱]

صحیح مسلم میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ بات پسند ہو کہ قیامت کی سختیوں سے اللہ تعالیٰ اسے نجات بخشے وہ تنگدست کو مہلت دے یا معاف کر دے۔[۲]

صحیح مسلم میں ابو الیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے گا یا اسے معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں رکھے گا۔[۳]

واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۷۹)- حضور آج کل جو بچہ پیدا کرنے کا نیا سسٹم ہاسپٹلوں میں چل رہا ہے یعنی شوہر کی منی بیوی کی بچہ دانی میں کسی آلہ سے داخل کروا کر حمل ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس کا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، الحدیث: ۳۴۸۰، ج:۲، ص: ۴۸۰.

(۲) صحیح مسلم، کتاب المساقاة... الخ، باب فضل انظار المعسر، الحدیث:۳۲ (۱۵۶۳)، ص:۸۴۵.

(۳) صحیح مسلم، کتاب الزهد... الخ، باب حدیث جابر الطویل... الخ، الحدیث: ۷۴، (۳۰۰۶)، ص:۱۶۰۳.

شرعی حکم کیا ہے۔ جواب کی سخت ضرورت ہے۔

جواب: اگر یہ عمل خود شوہر یا بیوی کرے تو حلال اور اجنبی ڈاکٹر مرد یا عورت کرے تو حرام اور بچہ بہر حال ثابت النسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۰)۔ (۱): کچھ لوگ حسد کرتے ہیں اور حسد میں ہی بہت کچھ کہہ جاتے ہیں، لوگوں کا دل بہت دکھاتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۲): اپنے گھر والوں کے لیے مال کی شرعی وصیت کیسے لکھیں؟ اپنے رشتہ داروں کے لیے سارے مالی ترکہ کی کیسے شرعی وصیت لکھیں جب کہ گھر کا کوئی فرد بھی زندہ نہ رہے صرف رشتہ دار ہوں ان کے۔ جزاک اللہ خیرا۔

(۳): اگر کوئی ہمیں کسی کے بارے میں ایسی بات بتائے جس پر یقین نہ ہو رہا ہو اور ساتھ میں وہ یہ بھی کہہ دیں کہ یہ بات آپ کے پاس امانت ہے اب دل اس پر مطمئن بھی نہ ہو تو کیا ہم بدگمانی سے بچتے ہوئے امانت میں خیانت کر سکتے ہیں یعنی جس کے بارے میں بات کی اس سے اس بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔

(۴): اگر کوئی مسلمان لڑکا اور لڑکی بھاگ کر دوسرے شہر میں جاکر کے کسی مولانا یا قاضی سے مل کرا نجانے شہر کی مسجد میں انھیں کے ذریعہ فراہم کیے ہوئے دو گواہ اور وکیل کے بیچ میں نکاح کر لیا۔ (جس طرح خطبہ کے ساتھ نکاح ہوتا ہے) تو کیا ان کا نکاح ہو گیا؟ اگر نہیں تو پھر کیا صورت ہوگی۔ برائے کرم بتائیں مہربانی ہوگی۔ جزاک اللہ۔

جواب: (۱)۔ حسد کرنا حرام ہے اور ناحق ایذا رسانی بھی حرام و گناہ ہے حاسد پر فرض ہے کہ حسد اور ایذا رسانی سے بچے اور اللہ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)۔ گھر والوں میں وارث کے لیے وصیت نہیں دوسرے قرابت داروں کے لیے ترکہ کی ایک تہائی مقدار تک وصیت ہو سکتی ہے۔ مثلاً یوں کہے، یا لکھے کہ میں نے فلاں کے لیے وصیت کی کہ میری موت کے بعد اسے میرے ترکے سے ایک تہائی مال یا فلاں مال دے دیا جائے۔

آپ رشتہ داروں کی تفصیل بتائیں تو آپ کی آخری بات کا واضح جواب دیا جا سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)۔ اس سے صرف نظر کریں۔

حدیث میں ہے: المجالس بالامانة.

مجلسوں کی بات امانت ہے اور غیبت جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)۔ نکاح ہو گیا مگر ایسے نکاح سے پرہیز کرنا چاہیے۔

سوال نمبر (۱۸۱)۔ وہابی کے جنازے کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: وہابی رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کے گستاخ کو کہتے ہیں اور ایسے گستاخ کی نماز جنازہ دانستہ پڑھنا باعث کفر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۲)۔ حضور کوئی یہ کہے کہ دعا کرو رسول اللہ ﷺ قبول کر لیں گے، تو اس کا کیا حکم ہے۔ اسے کیا سمجھنا چاہیے۔

جواب: دعا اللہ قبول کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے اللہ ضرور قبول فرماتا ہے۔ دعا کا معنی ہے مانگنا۔ اللہ سے مانگنے کو دعا کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے مانگنے کو استغاثہ اور مدد چاہنا۔ قائل کی مراد یہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مانگو تمہاری مراد پوری ہو سکتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا کا لفظ نہیں بولنا چاہیے، بلکہ آپ سے مانگنے کا لفظ بولنا چاہیے۔ قائل آئندہ احتیاط کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۳)۔ حضرت آپ کی بارگاہ میں میرا ایک سوال ہے کہ کیا بدمذہب کو سنیوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں جب کہ وہاں پر سنیوں کی تعداد زیادہ ہو اور بدمذہبوں کا کام نیا نیا ہو تو وہ ان کی میت کو لے کر سنیوں کے قبرستان میں آئے تو کیا ان کو سنیوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں۔

جواب: بدمذہب کی بدمذہبی اگر کفر کی حد میں داخل ہو چکی ہو اور قبرستان خالص اہل حق، اہل سنت و جماعت کا ہو تو اس میں اس کی تدفین کا شرعاً استحقاق نہیں۔

بدمذہب اپنا انتظام الگ کرلیں۔ہاں اگر قبرستان مخلوط ہے تو وہ اپنے حصے میں جو چاہیں کریں۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۴)۔ حضرت مسئلہ یوں ہے کہ ایک شخص نے جس کی آنکھوں کی روشنی بھی چلی گئی ہے اور پیشاب کے لیے پائپ لگی ہوئی ہے اس کا ایک لڑکا ہے جو باپ کو اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔اس شخص کا ایک بھانجا ہے جو اس شخص کو پناہ بھی دیتا ہے اور اس کا علاج بھی کرواتا ہے اس شخص کے پاس خالی تین مرلہ زمین ہے اور وہ اس شرط پر کہ بھانجا اس کے مرنے تک خدمت کر دینا چاہتا ہے۔تو عرض ہے کہ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے رہنمائی فرمائیں۔

جواب: جب اس مریض کا بھانجا اسے پناہ بھی دیتا ہے اور اس کا علاج بھی کراتا ہے اور لڑکا ناخلف ہے تو بہتر یہ ہے کہ اپنے املاک کا ایک تہائی حصہ اپنے بھانجے کو وصیت کر دے اور دو تہائی اپنے وارثین کے لیے چھوڑ دے۔لڑکے اور دوسرے وارثین کو ترکے سے حصہ اللہ نے دیا ہے تو وہ اس مریض کی وفات کے بعد از خود حقدار ہو جائیں گے اور بھانجا تمام تر خدمت کے باوجود محروم ہو جائے گا اس لیے اس کے حق میں وصیت کر دے،وصیت ترکے کی ایک تہائی تک ہوتی ہے مثلاً اس کے پاس تین مرلہ زمین ہے اور اس کے ذمے کسی کا کوئی قرض نہیں ہے اور تجہیز وتکفین کے لیے الگ سے انتظام ہے تو بھانجے کے نام ایک مرلہ زمین وصیت کر سکتا ہے جو اس کی وفات کے بعد بھانجے کو مل جائے گی۔مناسب یہ ہے کہ وصیت نامہ لکھ دے اور اس پر چند دیندار گواہوں کے دستخط بھی کرادے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۵)۔ حضور میرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر باپ جیتے جی تمام جائداد صرف ایک بیٹے کو دے دے یعنی ہبہ کر دے اور دوسرے بیٹے کو اس میں سے کچھ حصہ نہ دے تو یہ شرعی طور سے یہ صرف ایک بیٹے کو تمام جائداد ہبہ کر دینا اور دوسرے کو محروم رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: باپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرے کہ ساری جائداد ایک لڑکے کو دے دے اور باقی سب لڑکوں اور وارثوں کو محروم کر دے۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا جو اپنے وارث کو اپنی میراث دینے سے بھاگے اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے۔(مشکوٰۃ شریف)

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کو برابر برابر دو۔(مشکوٰۃ شریف)واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۶)۔ زید کی ایک بہن ہے اور زید بہت بیمار ہے یہاں تک کہ زید مرنے والا ہے۔زید اور اس کی بہن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اس کی بہن زید کو ڈاکٹر کے پاس لے کے گئی ڈاکٹر نے زید کی بہن کو بلا کر کہا یہ بچ جائے گا اس کے لیے اتنے روپیہ چاہیے ورنہ زید مر جائے گا تو زید کی بہن جن جن لوگوں کے پاس روپیہ مانگنے گئی وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم کو میرے ساتھ بدفعلی کرنی ہوگی تو اس حال میں زید کی بہن کیا کرے اس کے ساتھ بدفعلی ہوگی تو زید بچ جائے گا اور نہ مر جائے گا۔(حوالہ کے ساتھ جواب،برائے مہربانی)

جواب: فرضی سوال نہیں کرنا چاہیے۔ہزار بار اللہ کی پناہ اگر ہمارے سماج میں کہیں ایسے ناخدا ترس ہوں تو زید کی بہن صبر کرے اور زید کو اللہ کے حوالے کرے،اس کی مرضی چاہے بچائے،چاہے موت دے۔

الحمد للہ ہمارے معاشرے میں بے شمار اصحاب خیر ایسے ہیں جو اللہ کے لیے اس کی مدد کریں گے ایسے میں وہ کسی بدکار کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلائے۔قرآن پاک میں اللہ کا فرمان ہے۔

من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ.

(جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے)ہمارا مسلم معاشرہ الحمد للہ آج بھی ایسے بدنما داغ سے پاک ہے اور خدا اسے پاک رکھے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۷)۔ حضور آپ کی بارگاہ میں یہ سوال عرض تھا کہ مسلک حنفی میں کسی شخص نے ۲ر سجدوں کی جگہ بالترتیب ایک کے بعد ایک ۳ر سجدے کرلیا اب اس پر حکم شرع کیا ہوگا۔برائے کرم حضور جواب دیں۔

جواب: وہ سجدہ سہو کرلے۔ نماز پوری ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۸) — کیا کوئی ایسی مسجد جو سنی کی ہو اور امام بھی سنی ہو لیکن پیچھے نماز پڑھنے والے سارے مقتدی وہابی دیوبندی ہوں تو کیا جماعت سے نماز ہوجائے گی۔ جیسا کہ ان پر کفر کا فتویٰ لگا ہے تو امام مسلمان باقی سب کافر مقتدی تو ایسے میں کیا کرنا چاہیے۔ جماعت قائم کرنا چاہیے یا پھر اکیلے نماز پڑھ لے۔ (برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔)

جواب: امام کی نماز صحیح ہے اور جماعت والوں کی نماز نامعتبر، آگے ان کی مرضی امام کی اقتداء کی نیت کریں یا نہ کریں ہاں امام ان کی امامت کی نیت نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر (۱۸۹) — ایک شخص نے اپنا گھر کسی کے پاس رہن رکھا پھر مرتہن نے قبضہ کے بعد شی مرہون کو راہن ہی کو راہن اجرت پر دیا تو یہ جائز ہے یا نہیں برائے مہربانی جواب ارشاد فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہیں۔

جواب: یہ صورت حقیقت میں قرض اور سود کی ہے لہٰذا حرام و گناہ ہے ایسے معاملہ سے بچنا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سپاس نامہ

بخدمت سراج الفقہا، محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صاحب قبلہ مدظلہ النورانی، صدرالمدرسین وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

مورخہ: ۲۸؍ جمادی الآخرہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۷؍ اپریل ۲۰۱۶ء بروز جمعرات

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بڑی مسرت و شادمانی کا مقام ہے کہ آج ہم ذمہ داران دارالعلوم انجمن اسلامیہ، جامع مسجد پڈرونہ، کشی نگر، علمائے ضلع کشی نگر کی جانب سے دور حاضر کے عظیم محقق و مدبر سراج الفقہا، محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی والنورانی کی بارگاہ میں ان کی تحقیقی، دینی، علمی، ملی، فقہی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے "امام اعظم ایوارڈ" اور "عمدۃ المحققین" کا تحریری خطاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مشرقی اترپردیش ضلع کشی نگر کے ایک دور افتادہ گاؤں "بھوجولی، پوکھرا ٹولہ" کھڈا بازار کے ایک دین دار گھرانے میں مورخہ ۲؍ مارچ ۱۹۵۷ء بروز جمعرات ۱ بجے شب میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام "خوش محمد" اور دادا کا نام "سخاوت علی انصاری" ہے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کے مکتب سے کیا پھر انجمن معین الاسلام بستی، مدرسہ عزیز العلوم نان پارہ میں درس نظامیہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور اخیر میں دور حاضر کی عظیم دینی دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے اور یکم جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ کو علما و مشائخ کے ہاتھوں فراغت حاصل کی۔

فراغت سے پہلے ہی جامعہ اشرفیہ کے ذمہ داران نے مدرس کی حیثیت سے آپ کا انتخاب کیا اس وقت سے لے کر آج تک جامعہ اشرفیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اس وقت آپ جامعہ اشرفیہ کے صدرالمدرسین، شیخ الحدیث اور صدر شعبۂ افتا ہونے کے ساتھ ساتھ ناظم مجلس شرعی، رکن فقہی سیمینار بورڈ دہلی، قاضی شریعت کمشنری گورکھپور، دیوریا، کشی نگر، مہراج گنج) کے عظیم

منصب پر فائز ہیں اور کئی ایک مدارسِ اسلامیہ کی سرپرستی بھی فرمارہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ جدید فقہی مسائل کی تحقیق وتنقیح پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں اور عصرِ حاضر میں ایک عظیم فقیہ اور بلند پایہ محقق کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ فقہی تحقیقات کا عالم یہ ہے کہ مسائل میں لوگ آپ کا نام بطور سند پیش کرتے ہیں۔ تدریس، تصنیف، تقریر، مقالہ نگاری، فتاویٰ نویسی، فقہ وتحقیق، فتاویٰ رضویہ کی عمدہ تفہیم، جلسہ عام میں عوام کے ذریعہ پوچھے گئے سوالوں کے فی البدیہہ جوابات میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تقریباً ۷۰ ر فقہی، سائنسی، سماجی، تاریخی اور اصلاحی سیمیناروں میں شرکت فرمائی اور اس کے لیے مقالات بھی تحریر فرمائے جو کافی مقبول ہوئے۔ آپ نے اب تک چھوٹی بڑی تقریباً ۴۵ رکتابیں تصنیف فرمائیں جن میں الحواشی الجلیہ فی تایید مذھب الحنفیہ، شیئر بازار کے مسائل، فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول، جدید بینک کاری اور اسلام، خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام، عظمتِ والدین، انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم، لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا شرعی حکم اور فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان تصانیف کے علاوہ آپ کے مقالوں کی تعداد تقریباً ۱۴۰ ر ہے، ان میں ہر ایک بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کو حضرت برہانِ ملت مولانا شاہ محمد برہان الحق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امین ملت سید شاہ محمد امین قادری برکاتی مدظلہ العالی زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے اجازت وخلافت حاصل ہے اور دینی خدمات کے اعتراف میں آپ کو کئی ایک ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔

ہم بھی حضرت کی بارگاہِ عالی جاہ میں بصد خلوص محبتوں کا یہ گلدستہ پیش کرتے ہیں اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ حضرت کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے اور انھیں بیش و بیش خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

بقلم: محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی "گر قبول افتد زہے عزّ و شرف"

زیرِ اہتمام: اراکین واساتذہ دارالعلوم انجمن اسلامیہ، جامع مسجد پڈرونہ، ضلع کشی نگر (یوپی)

منجانب: علمائے ضلع کشی نگر، اتر پردیش، ہند

آئینۂ انجمن اسلامیہ، پڈرونہ

دارالعلوم انجمن اسلامیہ، پڈرونہ، کشی نگر، مشرقی اتر پردیش کا ایک قدیم دینی اور مرکزی ادارہ ہے، ۱۹۰۲ء میں بشکلِ مکتب اس کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۷۴ء میں قوم وملت کے بہی خواہ حضرات نے اس کی نشاۃ ثانیہ کر کے اس کو دارالعلوم کی شکل دی، ۱۹۹۴ء میں یہ ادارہ حکومتی سطح پر رجسٹرڈ ہوا، ۱۹۹۸ء میں اسے مستقل منظوری حاصل ہوئی، اور ۲۰۱۰ء میں سرکاری امدادیافتہ مدارس کی فہرست میں شامل ہوگیا۔

اس وقت اس ادارہ میں ۲۲/ مدرسین اور ۵/ ملازمین شب وروز دین وسنیت کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل ہیں، تقریباً ۵۰۰/ طلبہ و طالبات اس ادار۔ [illegible] ور مستقبل کو روشن وتابناک کررہے ہیں، دیدہ زیب عمارتوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی میدان میں شعبۂ درسِ نظامی (اعدادیہ تا رابعہ، الجامعۃ الاشرفیہ کے نصاب کے مطابق) اور شعبۂ حفظ وقراءت بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جاری وساری ہے، بیرونی طلبہ کی تعداد تقریباً ۱۰۰/ ہے جن کے قیام وطعام کا ادارہ خود کفیل ہے۔

اس کے علاوہ اس ادارہ کے زیر انتظام انجمن گرلس انٹر کالج، انجمن اسلامیہ جامع مسجد، نوکاٹولہ عیدگاہ، سراج الامہ لائبریری، سراج الامہ دارالافتا اور شعبۂ نشر واشاعت بنام دارالقلم وغیرہ شعبہ جات ہیں، جو اپنی آب وتاب کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں۔

Mob. 8423304050

Published By-
ANJUMAN ISLAMIA
Padrauna, Distt. Kushi Nagar (U.P.)

Distribute By-
MAKTABA BURHAN-E-MILLAT
Mubarakpur, Distt. Azamgarh (U.P.)